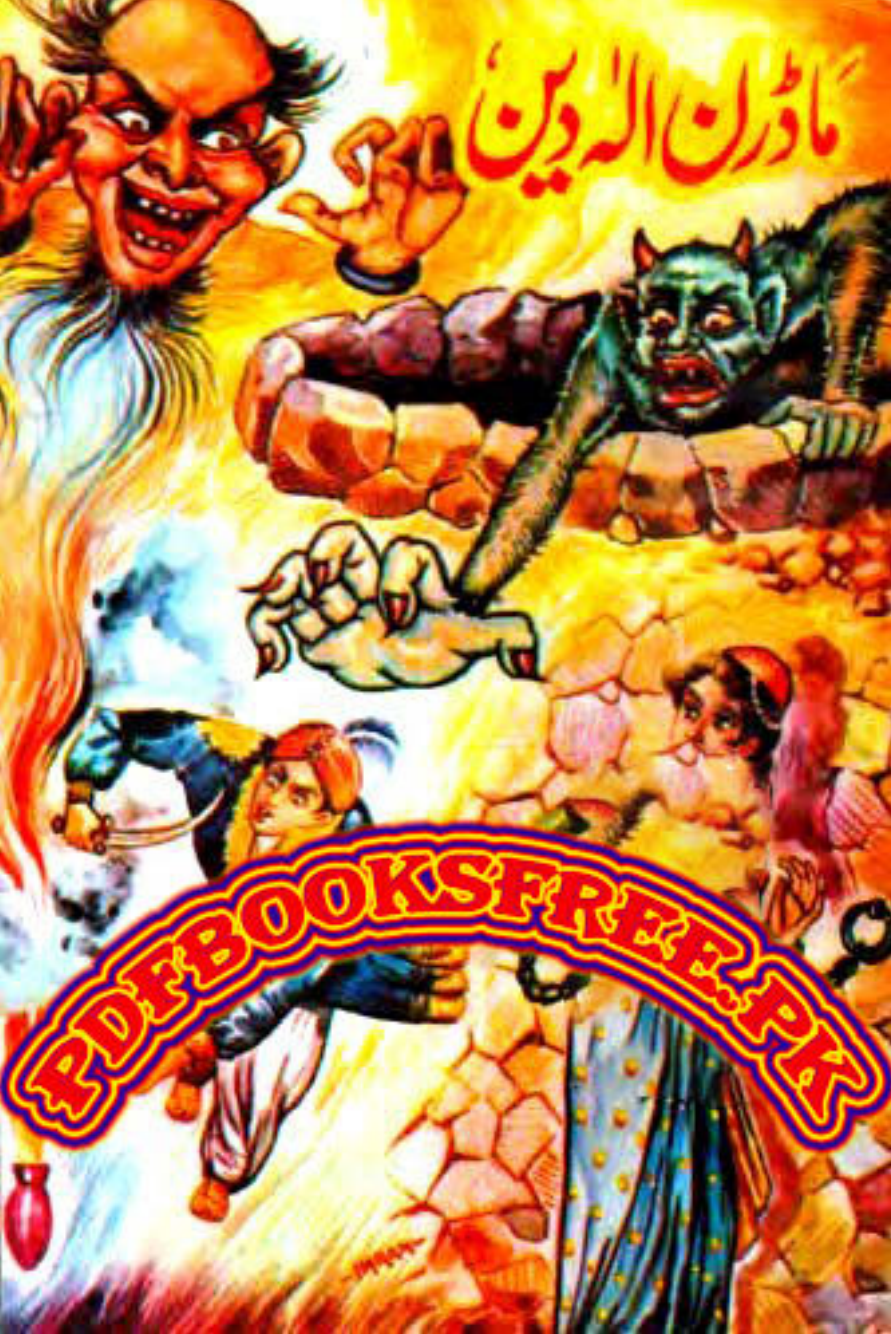


ماڈرن الہ دین



جملہ حقوق بحق ناشران محفوظ

الدین بڑا سیدھا سادھا اور شریف آدمی
تھا۔ وہ ایک گاؤں میں اپنے ماں باپ کے
ساتھ رہتا تھا اس کا چچا کراچی شہر میں
شہر میں رہتا تھا الدین کو کراچی دیکھنے کا
بڑا شوق تھا اور وہ ہر وقت کراچی ہی کی
باتیں کرتا رہتا تھا حالانکہ اس نے کراچی شہر
اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔
آخر اس کا شوق اور جذبہ دیکھ کر اس کے
باپ نے اسے کچھ دنوں کے لئے اپنے چچا
کے پاس کراچی جانے کی اجازت دیدی۔ الدین

ناشران ----- اشرف قریشی

----- یوسف قریشی

ترجمین ----- محمد ملال قریشی

طابع ----- پرنٹ یا رڈ پرنٹرز لاہور

قیمت ----- 18/- روپے



مگر اس کے چچا نے اسے پہچان کر گلے سے لگا کر پیار کیا۔ الدین گاؤں سے کچھ چیزیں لے کر آیا تھا اس نے وہ چیزیں نکال کر اپنی بچی کو دے دیں۔ چند دنوں میں ہی الدین کچھ خاص سرکوں اور بانوں کو جاننے پہچاننے لگ گیا۔ اس کے چچا کا لڑکا اسے ساتھ بیکر مختلف جگہوں کی سیر کراتا رہا۔ الدین اتنا خوش تھا جیسا کوئی حساب نہیں اب وہ اکیلے بھی باہر جانے لگ گیا۔

ایک دن الدین کا دل بہت چالاک ہوا کہ سمندر کو بھی دیکھ آئے۔ سمندر کے پاسے میں اس نے بہت سی باتیں سن رکھی تھیں اس لئے الدین سمندر کی طرف چل پڑا۔ سمندر آیا تو وہ بہت حیران ہوا کہ لوگ خواہ مخواہ سمندر سمندر کرتے ہیں۔ کیا ہے ایک بڑا دیا ہے اس لئے اسے دیا کیوں نہیں کہتے۔ اس نے سمندر کا اچھی طرح نظارہ کیا سمندر کی طرف دیکھ کر وہ نہانے سے ڈرتے

بہت خوش ہوا اس رات تو اسے خوشی کے مائے نیند بھی نہ آئی۔ اور جانے کے شوق میں آدھی رات کو ہی اٹھ کر بھا دھو کر نئے کپڑے پہن کر تیار ہو گیا۔ ماں باپ نے اسے کئی اچھی اچھی باتیں سمجھائیں۔ تاکہ وہ راتہ میں ہی گاڑی سے نہ اتر جائے آخر خدا خدا کر کے دن چڑھا۔ الدین کا باپ اس کے ساتھ جا کر اسے گاڑی پر سوار کر آیا۔

کراچی تو کراچی اس نے اس سے پہلے کوئی اور شہر بھی نہ دیکھا تھا۔ اس لئے کراچی پہنچا تو بڑی بڑی عمارتیں کھلی کھلی بسوں اور کاروں کی لائیں لگی دیکھ کر بہت حیران ہوا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اپنے باپ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا رہا کچھ لوگوں سے بھی پوچھا۔ اس طرح وہ رات ہونے سے پہلے پہلے اپنے چچا کے گھر پہنچ گیا۔

اس گیلی کی بچی نے تو اسے پہچانا بھی نہیں

پانی کی کھمبے لہر آئی اور پھر سمندر میں
واپس چلی گئی۔ لیکن اب پانی الدین کے
اتارے ہوئے کپڑے بھی ساتھ لے گیا۔ اس نے
دور دور تک نظر دوڑائی مگر اسے اپنے کپڑے
کہیں بھی نظر نہ آئے اب وہ ایک ٹکڑے
باندھے بے وقوفوں کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہا
تھا اب وہ یہ سوچ سوچ کر حیران ہو
رہا تھا کہ وہ اس ٹکڑے میں گھر کیسے
پہنچے گا۔ نہانا تو وہ اس طرح بھول گیا
تھا جیسے نہانے کی بجائے یونہی ریت چاکلتا
رہا ہو۔

اس نے ایک بار پھر کپڑوں کی تلاش میں
پانی میں نظریں دوڑائیں مگر کپڑوں کی بجائے
اسے اپنے سے چند گز دور ایک برتن سا
پڑا نظر آیا۔ الدین حیران حیران نظروں سے
اس برتن کی طرف دیکھنے لگا پھر وہ جلدی
سے اس برتن کی طرف بڑھا۔ قریب پہنچا
تو معلوم کر رہ ایک ٹوٹا ہے اس نے ٹوٹا
اٹھا لیا اور حیرت بھری نگاہوں سے اس

لگا تھا کچھ دیر تک سوچتے رہنے کے بعد
اس نے نہانے کا ارادہ کر لیا۔ کپڑے اتار
کر کنارے پر رکھے اور خدا کا نام لے کر پانی
میں اتر گیا۔ برف کی طرح ٹھنڈا پانی جسم
سے چھوتے ہی وہ تیر کی طرح بھاگ کر
پانی سے باہر نکل آیا۔

چند منٹ تک یونہی کھڑے رہنے کے بعد
وہ پھر آہستہ آہستہ پانی میں داخل ہو گیا
چند قدم بڑھانے کے بعد وہ گھٹنوں گھٹنوں
پانی میں جا کر کھڑا ہو گیا اور ہاتھوں سے جسم
پر پانی ڈال کر نہانے لگا۔

اب اس کے دل سے تمام ڈر و خوف
نکل چکا تھا اور وہ اطمینان سے نہانے
میں مصروف ہو گیا۔ عین اسی وقت سمندر نے
بھی کروٹ لی۔ اور پانی کی ایک بہت
بڑی لہر اس کی طرف بڑھتی نظر آئی اللہ
نے دیکھا تو پوری طاقت سے کنارے کی طرف
بھاگا مگر لہر کی تیز رفتاری بھلا اسے کہاں
بھاگنے دیتی تھی۔

اس سے بالکل ویسی ہی آواز پیدا ہوئی جس طرح ڈگڈگی کی آواز ہوتی ہے۔ اس نے چوٹ ذرا اور زور سے لگائی چھٹ کی سی آواز کے ساتھ چمڑہ چوٹ گیا۔ چمڑے کے پھٹنے ہی لوٹے کے اندر سے گھبرے سیاہ دھویں کی ایک موٹی سی کبیر چھوٹ نکلی۔

دھواں دیکھتے ہی الدین گھبرا گیا اور لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ریت پر جا گرا۔ لیکن دھواں نکلنے کا یہ سلسلہ اب بھی جاری تھا دھواں لوٹے سے نکل نکل کر ایک جگہ جمع ہونے لگا تھا۔ الدین حیرت سے انکھیں پھاڑے لوٹے کی طرف دیکھے جا رہا تھا اب دھواں آہستہ آہستہ بند ہونے لگا تھا۔ دھویں کے ساتھ ساتھ الدین کی نگاہیں بھی اوپر کی طرف اٹھتی جا رہی تھیں دس بارہ فٹ کی بلندی پر جا کر دھواں ٹھہر گیا الدین نے دیکھا تو دھواں اوپر سے نیچے تک پھیلا ہوا تھا۔

الدین کی حیرت ابھی کم بھی نہیں ہوئی

کے بندے ہوئے منہ کی طرف دیکھنے لگا لوٹے کا منہ بالکل اس دیکھی کی طرح بند تھا جس میں وہ اپنے گاؤں سے اپنے چچا کے لئے گئی لے کر آیا تھا۔ وہ اپنے کپڑوں کو بھی بھول گیا تھا اور نہ ہی اسے یہ یاد رہا تھا کہ وہ لنگوٹ باندھے ہوئے ہے۔

خود سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ لوٹے کا منہ چمڑے جیسی کسی چیز سے مٹھا ہوا تھا بالکل اس طرح جیسے کوئی ڈگڈگی منڈھی ہوئی ہو۔ اس نے لوٹے کو ادھر ادھر ہلا کر دیکھا اس میں کوئی چیز تو نہیں۔ مگر نہ تو کوئی چیز مقوس ہوئی اور نہ ہی کسی طرح کی کوئی آواز ہی اسے سنائی دی۔

الدین نے اندازہ لگایا کہ چار پانچ رپے کا پتیل ضرور ہوگا۔ مگر یہ اس پر چڑا کیوں مٹھا ہوا ہے اس نے دل میں سوچا ذرا کھول کر تو دیکھیں۔ یہ خیال آتے ہی اس نے ایک انکلی چمڑے والے حصے پر ماری

ہوتوں کی کہانیاں پڑھی تھیں اس لئے اس لیے آدمی کے اسطرے بولنے سے اسے یقین ہو گیا کہ وہ بھی ایک جن ہی ہوگا یہ خیال آتے ہی وہ ذرا ہوشیار ہو گیا کیونکہ جان گیا تھا کہ اس نے اسے ہی مخاطب کیا ہے۔

تم کون ہو؟ الدین نے ڈرتے ڈرتے منہ اوپر کرتے ہوئے کہا۔

میں ایک جن ہوں اور اب آپکا غلام ہوں کیونکہ آپ نے مجھے اس لوٹے کی قید سے آزاد کیا ہے۔ جن نے بھاری آواز میں کہا۔

یہ سنتے ہی الدین خوش ہو گیا اور اب اس کے دل میں سے تمام ڈر اور خوف نکل گیا تھا اس لئے اب وہ اپنی جگہ مطمئن ہو کر کھڑا تھا۔

”تھیں اس لوٹے میں کس نے بند کیا تھا“ الدین نے پھر سوال کیا۔

”کیا آپ طلسمی چراغ والے الدین کی کہانی

میں کہ دسواں آہستہ آہستہ غائب ہونے لگا اور اس کی جگہ کچھ عجیب غریب سی چیز نظر آنے لگی تھی چند لمحوں بعد اس کے سامنے ایک دس بارہ فٹ لمبا ایک آدمی کھڑا تھا الدین کے ہوش اسے دیکھتے ہی گم ہو گئے اور وہ گھبرا کر چند قدم پیچھے ہٹتا چلا گیا دونوں نے صرف نگوٹیاں باندھی ہوئی تھیں دس بارہ فٹ لمبا آدمی اسکے سامنے نگوٹ باندھے کھڑا تھا الدین نے بھی نگوٹ ہی باندھا ہوا تھا اسطرے وہ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے کہ الدین اسکے سامنے کوئی پلاٹک کا کھوٹا معلوم ہوتا تھا قریب تھا کہ الدین خوف یا حیرت سے بیہوش ہو جاتا مگر ایک بھاری اور کرخت آواز نے اسے بیہوش ہونے سے روک لیا آواز کہہ رہی تھی۔

”میرے آقا غلام حاضر ہے“ الدین نے سنا تو اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا لیکن وہ اس لیے آدمی کے ب ہٹتے دیکھ چکا تھا۔ اس نے کئی کتابوں میں جنوں اور

جانتے ہیں: جن نے پوچھا۔
 ہاں ہاں الدین فوراً بولا "میں نے کتاب
 میں پڑھا ہے اور اپنے ابا سے بھی الدین
 چراغ کی کہانی سنی ہوئی ہے۔
 بس تو جان لیجئے کہ میں وہی چراغ والا
 جن ہوں اور مجھے ایک جادوگر نے غصے
 میں آکر اس لوٹے میں بند کر دیا تھا اس
 طرح میں ہزاروں سال سے اس میں قید
 تھا۔ کیا آپ کا نام بھی الدین ہی ہے
 جن نے اپنی کہانی سنا کر پوچھا۔
 ہاں! مگر تمہیں میرا نام کس طرح معلوم
 ہوا" الدین حیراتی سے بولا۔

"کیونکہ اس جادوگر نے مجھے بتایا تھا کہ
 مجھے ایک بار پھر الدین نامی نوجوان کی غلامی
 کرنا پڑے گی" جن نے کہا۔
 "اچھا مگر تم الدین کے پاس سے اس
 جادوگر کے پاس کس طرح چلے گئے تھے؟"
 الدین نے پھر سوال کیا۔
 "بس یہ نہ پوچھیں قہقہے کہانیوں میں بھی

یہ بات نہیں بتائی گئی مگر اتنا ضرور کہہ سکتا
 کہ الدین نے بھی میرے ساتھ انصاف نہیں
 کیا تھا اور مجھ سے تمام بڑے بڑے کام
 لے کر مجھے ایک جادوگر کے پاس بھیج دیا
 تھا" جن نے افسردہ لہجے میں کہا۔
 "اچھا! الدین حیراتی سے بولا یہ بات تو
 واقعی کسی کو معلوم نہیں مگر اس نے ایسا
 کیوں کیا تھا۔ الدین نے پوچھا۔
 کیونکہ وہ اس جادوگر سے جادو سیکھنا چاہتا
 تھا۔ جن نے جواب دیا۔

"پھر.....؟"

"بس بات ذرا لمبی ہے اسلئے اب جانے
 دیں۔ فی الحال میں زیادہ دیر یہاں نہیں رک
 سکتا۔ اس لئے اگر کوئی کام ہو تو
 بتائیں" جن نے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔
 الدین کو فوراً اپنے کپڑے یاد آگئے اس
 لئے اس نے جن کا امتحان لینے کے بارے
 میں سوچا۔ اور جن کو حکم دیا کہ میرے
 لئے ایک جوڑا کپڑوں کا لے کر آئے۔

ہوتے ہیں" الدین حیرت سے بولا۔

"جی ہاں آقا" نئے کپڑے کہاں سے لانا وہ تو بہت مہنگے ہو گئے ہیں اور اس لئے دہری لوگ الماریوں کو تار لگا کر رکھتے ہیں اس لئے میں آپ کے لئے لٹڈا بازار سے ہی ایک جوڑا لے آیا ہوں" جن نے جواب دیا۔ الدین کیا بولتا چپ ہی رہا۔ کپڑے اچھے صاف ستھرے تھے۔

"کیا میں اب جاؤں" جن نے پوچھا۔ الدین کو علمی چراغ دلے الدین کی ساری کہانی بھی یاد تھی اس لئے اس نے فوراً جواب دیا۔

"بھائی جن صاحب اگر مجھے پھر کوئی کام پڑے تو کیا وہ بھی کرو گے؟" پھر کوئی حکم "ہاں میرے آقا میں آپ کا ہر جائز حکم سب ادا کروں گا۔"

تو پھر میں دوبارہ تمہیں کس طرح بلاؤں گا" الدین نے غمگینوں کی طرح پوچھا۔ جن نے ایک ہاتھ اپنے سر کی طرف بڑھایا

"بہت اچھا میرے آقا" جن ذرا جھکتے ہوئے بولا اور اسی وقت الدین کی نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا اور الدین کھڑا دیکھا گیا جن کے جانے کے بعد الدین کو خیال آیا کہ وہ اسے دھوکہ نہ دے گیا ہو اور یہ خیال بھی اس کے دل میں آیا کہ اس نے کپڑوں کا جوڑا مانگ کر بڑی غلطی کی ہے بلکہ اسے تو یہ چاہئے تھا کہ جن نے بہت ساری دولت مانگ لیتا اور ساری عمر عیش کرتا۔

ابھی الدین نے یہاں تک ہی سوچا تھا کہ جن اچانک پھر نمودار ہو گیا جن کو دیکھتے ہی الدین کی جان میں جان آئی اور دل کو پکا یقین ہو گیا کہ وہ واقعی ایک جن ہے کیونکہ جن نے اپنے ہاتھوں میں ایک جوڑا کپڑوں کا بھی کپڑا رکھا تھا الدین نے ہاتھ بڑھایا تو جن نے جھک کر کپڑے اسے دیئے۔

"اے یہ کیا؟ یہ تو پرانے کپڑے معلوم

ہیں۔ کیونکہ وہ بھی سمندر کا پانی بہا کر لے گیا تھا مگر اب کیا ہو سکتا تھا وہ جن کو بھی ابھی بلانا نہیں چاہتا تھا اور سچ رہا تھا کہ کہیں بار بار بلانے سے جن ناراض ہی نہ ہو جاتے۔

اس لئے اس نے پیش کا لٹا اٹھایا اور ننگے پاؤں ہی گھر کی طرف چل دیا۔

”اگر چچا نے جوتوں کے بارے میں پوچھا تو وہ کیا جواب دیا۔ راستے میں الدین نے سوچا مگر اس وقت اسے کوئی خیال آیا اور وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا بازار کی سمت مڑ گیا وہاں ایک پرانے تبنوں کی دکان پر اس نے لٹا بیچنے کیلئے دکاندار کو دیا۔ دکان والے نے الدین کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور لوٹے کو پکڑتے ہوئے بولا۔

”کیا تمہیں سے اٹھا کر لائے ہو“ دکاندار ہوا چالاک اور ہوشیار تھا اس نے الدین کے ننگے پاؤں بھی دیکھ لئے تھے اور صوبت دیکھ

اور ایک بال توڑ کر الدین کے ہاتھ میں دے دیا اور بولا۔

”اٹا جب بھی میری ضرورت پڑے اس بال کو ذرا گرم کر دینا میں فوراً حاضر ہو جاؤں گا اور دیکھنے گری دینے وقت یہ بال ہی کبھی نہ جل جائے اگر ایسا ہوا تو میں پھر کبھی نہیں آؤں گا اور آزاد ہو کر اپنے وطن لوٹ جاؤں گا۔“

الدین نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا اس کے ہاتھ میں یقین چار گز لمبا ایک بال پکڑا ہوا تھا وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوا کہ اب وہ جس وقت چاہے اسے بلا کیا کرے گا۔

”اٹا اب تم جاؤ“ الدین نے شاہانہ ٹھٹھ سے کہا اور جن فوراً اس کے سامنے سے غائب ہو گیا۔

الدین نے جن کے لئے ہوئے اندھے بازار کے کپڑے پہن لئے مگر اب اسے یاد آیا کہ اس کے جوتے بھی تو نہیں

ریہائی بن ایکدم جاگ اٹھا تھا۔
 "نہیں پانچ ہی ملیں گے مرضی ہے تو لہ
 درنہ راہ نو" دکاندار نے کہا۔
 "بہت اچھا لائیے پانچ ہی سہی الدین نے
 ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا اور پانچ روپے لیکر اس
 بازار سے ایک ہوائی چل لے کر پاؤں میں
 پہن لی۔

اب وہ ذرا مطمئن سا ہو گیا تھا مگر دل
 ہی دل میں چچا اور چچی کا ٹھکر اب بھی
 لگا ہوا تھا۔

دوبارہ اسے پھر روٹیوں کا خیال آیا اور
 پچھتانے لگا کہ جن سے کہہ کر کچھ روپے
 کیوں نہ منگوا لئے ان سے وہ اچھے سے
 جوتے لیتا اور آج ہی چچا کو سلام کر کے
 اپنے گاؤں چل دیتا اور گاؤں جا کر جن سے
 کہہ کر منبردار کی سوٹی کے سامنے اپنے لئے
 ایک بڑا سا عمل بنواتا۔ بالکل ویسا ہی عمل
 جیسا غلامی چراغ والے الدین نے بنوایا تھا۔
 اور پھر وہ جن سے بہت سا روپیہ لے کر

کہہ ہی جان گیا تھا۔ کہ یہ کوئی گاؤں
 کا رہنے والا ہے اس لئے اس نے ایسا
 سوال کیا تھا دکاندار کی بات سن کر پہلے
 تو الدین گھبرا گیا مگر پھر جلد ہی سنبھل کر بولا
 "جی نہیں میں نے اسے کہیں سے اٹھایا
 نہیں بلکہ یہ میرے چچا کا ہے انہوں نے
 اسے اس لئے بیچنے کو دیا ہے تاکہ میں نئے
 جوتے خرید سکوں" الدین نے جواب دیا۔
 ادھر نہ جوتے، نہ جوتے جوتے تو کم از کم
 بھی بیس پچیس روپے میں آئیں گے اور اس
 روٹے کے صرف پانچ روپے بنتے ہیں دکان والے
 نے لٹا تول کر کہا۔

"صرف پانچ روپے؟" الدین نے بڑی حیرانی
 سے پوچھا۔

"جی ہاں کیا دوں؟ یا ابھی بازار کا چکر
 لگاؤ گے؟ لیکن اگر دوبارہ میری دکان پر واپس
 آئے تو پھر پانچ کی بجائے چار روپے ملیں
 گے" دکان والے نے اسے ڈراتے ہوئے کہا۔
 "اچھا چلتے چہ روپے دے دیکھتے" الدین کا

نے دیکھ لیا تھا اس لئے فوراً ہی بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ الدین سات آٹھ فٹ نیچے گندے پانی میں کمر تک ڈوبا کھڑا تھا لوگوں نے اسے باہر نکالا۔ قریب ہی مل تھا اس کے نیچے بچا کر اسے بھلایا گیا تب کہیں جاکر گندگی اس کے کپڑوں سے اتری اب الدین ایک بار پھر پاؤں سے ننگا ہو گیا تھا۔ اس نے حسرت سے مین ہول کی طرف دیکھا اور جلدی سے ایک گلی میں گھس گیا تاکہ لوگوں کی نظروں سے دور ہو کر شرمندگی کے احساس سے چھٹکارا پا سکے۔

اب گھر بھی نزدیک تھا اس لئے وہ گلیوں گلیوں سے ہوتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔
 "لعنت ہے مجھ پر بھی جو اتنے بڑے سوراخ کو نہ دیکھ سکا۔ اس نے ایک بار پھر سوچنا شروع کر دیا۔ مگر اب اسے زیادہ سوچنے کا موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ اسی گلی میں اس کے چچا کا گھر تھا۔ جو موڑ مڑتے ہی نظر آنے لگا تھا۔

اپنے باپ کے سارے قرضے اتار دیتا۔ پھر ہم لوگ ٹھاٹھ سے اس محل میں رہتے اب تو نمبردار بھی ابا کو تنگ کرتا رہتا ہے مجال ہے اگر پھر کبھی وہ سبک اٹھا کر بھی ہماری طرف دیکھتا وہ سب سے پہلے نمبردار کے پیلچ سو روپے ہی دیتا۔ جو اس کے ابا نے پچھلے سال ہی لئے تھے۔ اور جب نمبردار ایک دم پانچ سو روپے ہمارے پاس دیکھتا تو وہ کتا جیران ہوتا۔ ابھی الدین نے یہیں تک سوچا تھا کہ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ایک دم ہوا میں اڑنے لگا ہو۔ مگر اصل بات کا علم تو اس وقت ہوا جب وہ گندگی بے پانی میں چھپ کی ہوا سے گر کر ڈبکیاں لگانے لگا اب وہ سمجھ کر وہ کسی کھلے مین ہول میں گر کر محسوس ہوا جا پڑا ہے۔

گرتے ہوئے ہوائی پیل بھی اتر کر کہیں جا گری تھی بازو اور ٹخنے بھی خاصے زخم ہو گئے تھے اسے گھر میں گرتے ہوئے چند لوگ

چند منٹ بعد ہی وہ گھر کے
دروازے پر تھا۔ ڈرتے ڈرتے اور جھجکے
ہوئے اس نے ڈیڑھی میں قدم رکھ
ہی دیا۔

سب سے پہلے اس کے چچا کے لڑکے
نے ہی الدین کو دیکھا اور وہ اسے
دیکھتے ہی کھکھلا کر ہنس پڑا کیونکہ الدین سر
سے پاؤں تک بھیگا ہوا تھا اور پانی کے
قطرے اس کے سپردوں سے ابھی تک ٹپک
رہے تھے۔

”کیا باہر بارش ہو رہی ہے“ اس نے الدین
کو مذاق کیا۔
”اور یہ تمہارے جوتے کہاں گئے“ اس کے
چچا بھی بول اٹھے۔

میں ذرا سمندر دیکھنے گیا تھا۔ اور پھر میرا دل نہانے کو چاہنے لگا۔ نہا ہی رہا تھا کہ ایک آدمی میرے کپڑے اور جوتے لے کر بھاگ گیا اور پھر وہاں جمع ہونے والے لوگوں میں سے کسی نے یہ کپڑے مجھے دیے جنہیں پہن کر میں یہاں تک آیا ہوں۔ بس یہ ہی ساری بات ہے" الدین نے عمداً جھوٹ بولا۔

"اے! سمندر میں نہانے گئے تھے۔ یعنی واقعی سمندر میں؟" چچا نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں!" الدین نے جواب دیا۔

"کمال ہے تمہیں یہاں رہتے اتنے برس ہو گئے ایک بار بھی سمندر کی طرف نہیں گئے۔ اور ایک تم ہو آتے وہاں چلے گئے اسے میاں اگر کہیں ڈوب جاتے تو پھر کیا ہوتا ہمیں یہاں کیسے معلوم ہوتا" الدین کے چچا نے کہا۔

"یہ لڑکا ہے یا تماشا۔ گھڑی بھر میں ہی خور ڈال کر رکھ دیا" چچی بھی بول اٹھی۔

"تم چپ رہو جی۔" الدین کے چچا نے

الدین نے بتایا کہ وہ راستے میں گر پڑا تھا اس لئے وہ بھیگ گیا ہے۔

"مگر تمہارا علیہ کیوں بگڑا ہوا ہے اور بازو پر سے قمیض کا رنگ سرخ ہو رہا ہے چچا نے پوچھا۔

"گرنے سے چوٹ آگئی تھی اس لئے خون بھی نکل پڑا" الدین نے جواب دیا۔

"سبح سچ بتاؤ ورنہ ابھی مرغا بنا دوں گا" الدین کے چچا نے انہیں نکال کر کہا۔

اچانک الدین کو خیال آیا کہ اسے اصل بات نہیں بتانا چاہیے کیونکہ اسے علمی چارخ والے الدین کی ساری کہانی یاد آگئی تھی کہ کس طرح ایک آدمی نے اس کا چچا بن کر اسے دھوکہ دیا تھا اور بعد میں علمی چارخ لے کر بھاگ گیا تھا۔ یہ سب کچھ یاد آتے ہی اس نے ایک بہانہ ڈھونڈا ہی لیا۔

"سمندری سے بتاؤ ورنہ اسی جگہ مرغا بن جاؤ" چچا نے دھمکی دی۔

دل ہی دل میں غوغا ہوتے ہوئے کہا۔
 ”لیکن تمہارے جوتوں کا کیا بنے گا؟“ چچا
 پریشان ہوتے ہوئے بولا۔ چلو خیر تم بازار
 سے نہتی جوتی لے آؤ۔“
 ”نہتی جوتی کس لئے۔ اپنی پانی جوتی ہی
 دے دیں؟“ چچی نے فوراً اعتراض کیا۔
 ”ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ تو میاں یہ
 مسد بھی مل ہو گیا۔ وہ پنک کے نیچے سے
 بوٹ نکال کر پہن لو۔ اور اللہ کا نام لے کر
 گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ چچا نے خوش ہو کر کہا۔
 ”بہت اچھا۔“ الدین نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد اس کا چچا اسے اسٹیشن
 پر جا کر گاڑی میں بٹھا آیا۔ اور الدین خوش
 خوش گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گاڑی چلی تو
 سب سے پہلے اس نے اپنی جیب سے
 ایک کاغذ کی پڑیا نکال کر دیکھی اور مطمئن
 ہو کر اسے پھر جیب میں احتیاط سے رکھ
 لیا۔ اس کاغذ کی پڑیا میں اس نے جن کا
 دیا ہوا بال پیٹ رکھا تھا۔ کچھ ہی دیر

اپنی بیوی کو ڈانٹا۔
 میں کیوں چپ رہوں۔ اگر کوئی صحت مرچ
 ہو جاتا تو اس کے ماں باپ میرا ایک بال
 بھی سر پر نہ پھوڑتے۔ اس لڑکے کا کوئی
 بندوبست نہ کرواؤ! چچی جھٹ بولی۔
 الدین کے چچا کچھ دیر تک چپ بیٹھے کچھ
 سوچتے رہے آخر وہ بولے۔

دیکھو میاں تمہاری حرکتیں ایسی نہیں کہ ہم
 تمہیں اپنے پاس رکھ سکیں اس لئے بہتر ہے
 کہ تم اپنے گھر جاؤ۔ چچا نے کہا۔ مگر اس کے
 ”مگر چچا جی“ الدین بولنے لگا مگر اس کے
 چچا نے بات کاٹ دی اور بولے۔

بس بس، بھلا غضب خدا کا صاحبزادے سمند
 پر نہانے گئے تھے اور یہاں یہ حال ہے
 کہ گھر اپنے نکلے پر بھی عید کے عید ہی
 نہاتے ہیں۔ اگر خداخواستہ کچھ ہو جاتا تو کیا
 ہوتا۔ اس لئے تم آج ہی چلے جاؤ تو
 بہتر ہے۔“
 ”بہت اچھا میں چلا جاتا ہوں“ الدین نے

لگا دی۔ لیکن اب وہ ڈرا کہ اگر اس نے
بال آگ کے قریب بھی کیا تو وہ ضرور جل
جاتے گا۔ اس طرح جن ہمیشہ کے لئے آزاد
ہو جائے گا۔

اس کے سوچتے سوچتے ہی گھاس پھوس جل
گیا اور خاک باقی رہ گئی۔ اچانک اسے ایک
ترکیب سوچ ہی گئی۔ اس نے ہاتھ لگا کر
دیکھا تو خاک گرم ضرور تھی مگر اس میں
آگ بالکل نہیں تھی۔

اللہ کا نام لے کر اس نے کانپتے ہوئے
ہاتھوں سے جن کا دیا ہوا بال اس گرم
خاک کے اوپر رکھ دیا۔ اس کے ہاتھ اس خیال
سے ہی کانپنے لگے تھے کہ معلوم نہیں جن
اس طرح حاضر ہوگا یا نہیں۔

چند لمے گزر گئے تو الدین مایوس سا ہوا
گیا۔ مگر عین اسی وقت جب وہ بال اٹھا
کر جیب میں رکھنے کو تھا اس کی آس
پوری ہوئی یعنی جن حاضر ہو گیا۔ الدین نے
دیکھا تو جن کا سر ایک درخت کی چوٹی

وہ خیالات میں گم ہو گیا اور یہ سوچ کر
جی بھلانے لگا کہ وہ گاؤں جا کر یہ سوچ کر
اور وہ کرے گا۔

اس طرح اسے سفر بھی معلوم نہ ہوا اور
جلدی اپنے گاؤں کے اسٹیشن پر جا اتر۔ اسٹیشن
سے باہر اجاڑ سا علاقہ تھا۔ چونکہ یہ ایک چھوٹا
سا اسٹیشن تھا اس لئے زیادہ روٹ بھی نہ تھی
گاؤں اسٹیشن سے دو میل دور تھا اسٹیشن سے
درا ہی دور گیا تھا کہ جنگل کا علاقہ شروع
ہو گیا۔ الدین نے سوچا کہ گھر جاتے ہوئے
وہ خالی ہاتھ ہی ہے۔ اس لئے کیوں نہ
جن کو بلکہ کچھ چیزیں منگوائے۔

اس نے جیب سے بال والی پٹیا نکالی
اور جن کو بلانے کے لئے تیار ہو گیا مگر اب
وہ یہ سوچ کر فکر مند ہو گیا کہ بال کس طرح
گرم کرے۔ یہ بات وہ جن سے بھی پوچھا
بھولی گیا تھا۔

کچھ سوچ کر اس نے جیب سے اپنی نکالی
اور تھوڑا سا گھاس وغیرہ اٹھا کر کے اسے آگ

ڈبے رکھ دیے۔ الدین مٹائی دیکھ کر بہت
خوش ہوا اور اسے یہ خیال بھی آیا کہ اپنے
فوج کے لئے کچھ روپے بھی منگوا لے۔
ابن صاحب اب میرے لئے دو مین سو
روپے بھی لے کر آؤ۔ الدین نے جن سے کہا
میرے آقا گستاخی معاف بار بار نہیں آیا
جا سکتا۔ اگر روپوں کی ضرورت تھی تو پہلے کیوں
نہ کہہ دیا۔ جن نے فوراً جواب دیا۔
مگر غلطی چران والا جن تو کبھی انکار نہیں
کیا کرتا تھا۔ اور فوراً ہی الدین کی بات
مان لیتا تھا۔ الدین کو جن کا جواب سن کر
حیرانی بھی ہوئی اور صدمہ بھی۔
"ہاں یہ بھی آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں میں
نے اس کے آگے کبھی کسی کام سے انکار نہیں
کیا تھا اور یہی وجہ تھی جو اس الدین کی
ماد میں خراب ہو گئی تھیں اور میں اب آپ
کی عادتیں خراب نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے علاوہ
اس بات کو ہزاروں سال بیت گئے اسی لئے
وہ الدین بادشاہوں اور شہزادوں کے خواب

کو چھو رہا تھا۔
"حکم میرے آقا" جن کی بھاری آواز اس
کے کانوں میں آئی۔ فرمائیے مجھے کیوں یاد
کیا گیا ہے۔
الدین اب پھر بہت خوش نظر آنے
لگا تھا۔
"دیکھ میں اپنے گاؤں جا رہا ہوں۔ اس
لئے کچھ ایسی چیزیں اور تحفے لاکر دو۔ جسے
میں اپنے ماں باپ کی خدمت میں پیش کر
سکوں۔" الدین نے حکم دیا۔ الدین کی بات
ختم ہوتے ہی جن غائب ہو گیا۔ الدین اسی
جگہ کو ذرا صاف کر کے زمین پر بیٹھ گیا اسے
خیال آیا کہ شہر یہاں سے دور ہے اس لئے
جن ذرا دیر سے ہی آئے گا۔ مگر وہ یہ
دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جن اسی وقت اس
کے سامنے آ موجود ہوا۔
الدین جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ جن
نے اس کے سامنے ایک چمڑے کا سوٹ
کیس اور تین چار مٹائی کے بڑے بڑے

طرح کو ایک بالکل ہی نیا آدمی محسوس کر رہا تھا یہ خیال بھی اسے خوش کر رہا تھا کہ اس کے ماں باپ اسے اچانک دیکھ کر بہت خوش ہوں گے۔

اب اس کے گھاؤں کے مکان نظر آنے لگے تھے۔ نمبردار کی سوجلی تو دور سے ہی نظر آنے لگی تھی اور اس وقت بھی وہ سب گھاؤں سے بڑی معلوم ہو رہی تھی۔ الدین گھاؤں میں داخل ہوا تھا اس کی سوچیں ختم ہو گئیں سب سے پہلے فضلہ تیلی کے لڑکے نے ہی اسے دیکھا اور وہ شور مچاتا ہوا الدین کی طرف بھاگا۔ الدین بھی اسے دیکھ کر مسکرایا چند ہی منٹ بعد الدین اپنے گھر کے دروازے پر تھا دروازہ کھلا ہوا تھا اور اس کی ماں بیٹی چرخہ کات رہی تھیں۔

”نہاں“ الدین نے زور سے اپنی ماں کو آواز دی اس کی ماں نے دروازے کی طرف دیکھا اور الدین کو کھڑے دیکھ کر واقعی حیران

بھی دیکھنے لگا تھا مگر اب کچھ اور بات ہے کیونکہ بیویں صدی ہے جن نے لمبا چوڑا جواب دیتے ہوئے کہا۔
”بھیر یہ بھی بتا دو کہ میں تمہیں کب بلایا کروں؟“ الدین نے جن کا لمبا چوڑا لیکچر سن کر پوچھا۔

”بچے روزانہ نہ بلایا کریں بلکہ دوسرے یا تیس دن بلایا کریں“ جن نے جواب دیا۔
”بہت اچھا اب تم جاؤ پرسوں بھر تمہیں بلاؤں گا“ الدین نے مانتے ہوئے کہا۔
”شکریہ میرے آقا“ جن نے کہا اور اسی وقت غائب ہو گیا۔

الدین نے مٹھائی کے ڈبے ایک ہاتھ میں اور سوٹ کپڑے دوسرے ہاتھ میں لٹکایا اور بیٹی شان اور اکڑ کے ساتھ گھاؤں کی طرف چلنے لگا۔ وہ اس وقت بہت خوش تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ گھاؤں والے اسے دیکھ کر کتنے حیران ہوں گے کیونکہ اس وقت سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے

اڑ کر خواب دیا۔
 "تو پھر یہ مٹھائی ضرور تمہارے چچا نے دی ہوگی" ماں نے پوچھا۔
 "چچا چچا چچا، کیا چچا ہی مٹھائی دے سکتا ہے ارے میری بھولی ماں یہ میں لایا ہوں" اردین جھٹا کر بولا۔
 "اچھا مگر تم کہاں سے لے آئے" ماں نے پھر سوال کیا۔
 "یہ تم نہیں سمجھ سکوگی" اردین مسکرا کر بولا مگر ابا کہاں ہیں۔
 "وہ کھیت پر گئے ہیں" اسکی ماں نے جواب دیا۔

"اچھا اب ابا کو بھی کھیت پر جانے کی ضرورت نہ رہے گی" اردین نے نہیں کر کہا۔
 یہ کہہ کر اردین سوٹ کیس کھولنے لگا مگر سوٹ کیس اس سے نہ کھلا۔ بہت زور لگایا۔ کئی جتن کئے مگر وہ نہ کھلا تھا نہ کھلا۔ آخر مٹھ آکر اس نے قریب پڑی ہوئی اینٹ اٹھا کر زور زور سے تالے پر مارتی شروع کر دی

رہ گئی۔
 "ناں اٹھ کر آؤ اور میرے ہاتھ سے مٹھائی کے ڈبے تو لے لو" اردین نے کہا۔
 اس کی ماں جلدی سے اٹھی اور آتے ہی اردین کو پیار کرنے لگی۔
 "ناں پہلے یہ بکسا تو لو" اردین نے سوٹ کیس کو نکسا کھتے ہوئے اپنی ماں کی طرف بڑھایا اس کی ماں نے فوراً سوٹ کیس لے لیا اور اردین مٹھائی کے ڈبے پکڑے اندر داخل ہو گیا۔

"ارے یہ کیا ہے" اسکی ماں نے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
 یہ تو اردین کو بھی نہ پتہ تھا کہ سوٹ کیس میں کیا ہے کیونکہ وہ جن سے لے کر بنیر پوچھے گھر چلا آیا تھا۔
 بیٹے اسے کھولو تو سہی کیا یہ تمہارے چچا نے دیا ہے؟" ماں نے کہا۔
 "چچا نے! ماں چچا نے تو ایسا بکسا کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا ہوگا" اردین نے

میں یہ امید نہیں تھی کہ الدین اتنی جلدی واپس آ جائے گا۔ اس نے بھی الدین کو گلے سے لگایا۔ اور ان دونوں کے ساتھ عکس وہ بھی مٹھائی کھانے لگا۔

کپڑے اور سوٹ کیس دیکھ کر وہ بھی بہت حیران ہوا اور یہ ہی سمجھا کہ یہ چیزیں الدین کے چچا نے دی ہوں گی۔ مگر جب اسے اصل بات معلوم ہوئی تو وہ بھی بہت غوٹ ہوا۔ تھوڑی دیر میں ہی سارے گاؤں میں مشہور ہو گیا کہ الدین کراچی سے آگیا ہے گاؤں والوں کے لئے کراچی بڑی چیز تھی اس لئے الدین کے یار دوست اور گاؤں والے الدین سے ملنے کے لئے آنے لگے۔

الدین نے سب ہی کو مٹھائی دی اور بڑھ چڑھ کر کراچی کی باتیں کرتا رہا۔ سچ بھی اور گلیں بھی ماریں۔ سب گاؤں والے بیٹھے حیرت سے الدین کی شکل دیکھے جا رہے تھے۔

الدین کراچی سے کیا آیا اپنے آپ کو

نازک سا تالہ چند ہی زبردست چوٹوں سے ٹوٹ گیا سوٹ کیس کھلا تو وہ بہت سے اچھے اچھے کپڑوں سے بھرا ہوا تھا اسکی ماں اور الدین رنگ رنگ کے کپڑے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور غفلت کپڑے اٹھا اٹھا کر اپنے جموں کے ساتھ لگا لگا کر دیکھنے لگے۔

انہوں نے ساری زندگی میں ایسے خوبصورت کپڑے نہیں دیکھے تھے اس لئے انکا اس طرح غوٹ سے چھوٹے نہ سنا کوئی بڑی بات نہ تھی الدین کی ماں نے ایک مٹھائی کا ڈبہ بھی کھول لیا۔ اور دونوں ماں بیٹے بیٹھ کر مٹھائی کھانے لگے ان دونوں نے اتنی مٹھائی کھائی اتنی کھائی جتنا ساری زندگی میں گڑ بھی نہ کھایا تھا الدین کی ماں بیٹے پر نہال ہو رہی تھی اور اس کی نظریں بھی الدین پر ہی لگی ہوئی تھیں۔

اسی وقت الدین کا باپ بھی آگیا۔ اس نے ہاتھ میں ایک کھانڈا پکڑا ہوا تھا اس نے الدین کو دیکھا تو وہ بھی بہت حیران ہوا

گھاؤں والوں سے علیحدہ ہی سمجھنے لگا۔ رات
گئے یہک ان کے گھر اسی طرح رونق لگی
رہی۔ آخر کافی دیر بعد سب لوگ چلے گئے
اور وہ بھی تینوں باتیں کرتے کرتے سو گئے

صبح الدین گھر سے نکلا تو ایک نیا الدین
معلوم ہوتا تھا۔ نئے کپڑوں نے اس کی شخصیت
ہی بدل کر رکھ دی تھی لیکن پاؤں میں آج
بھی چمچا کے دیے ہوئے پرانے جوتے ہی تھے
گھاؤں کے لوگ اسے دیکھ کر حیران ہو رہے تھے
اور اسے دیکھ کر کئی لوگ بھی کراچی جانے
کے لئے تیار ہونے لگے۔

سارا دن الدین اکڑ اکڑ کر گھاؤں کی
مٹیوں میں پھرتا رہا۔ اور کئی بار منبردار کی حویلی
کے سامنے والی خالی جگہ دیکھنے گیا اسی جگہ

ہوئے جھکا۔
 "جن صاحب نمبردار کی سوئی کے سامنے میرے لئے ایک شاندار محل بنادو" الدین نے کہا۔
 "محل؟" جن ذرا حیرانی سے بولا۔ "وہ آپ کیا کریں گے؟"
 "میں اس محل میں رہا کرونگا" الدین نے جواب دیا۔

"مگر آج کل نہ تو اینٹیں ملتی ہیں اور نہ ہی سیمنٹ ملتا ہے محل پر اتنی اینٹیں ملیں گی کہ جس بھٹے سے بھی اینٹیں لائی جائیں گی اس بھٹے والے کا تو بھٹہ ہی بیٹھ جائیگا" جن نے دعوہات بتلاتے ہوئے کہا۔

"پھر" الدین حیرانی سے بولا "تم نے پہلے بھی تو الدین کے لئے محل بنایا تھا۔"
 "ٹھیک ہے مگر وہ ہزاروں سال پہلے کی بات ہے اب زمانہ بدل چکا ہے اس کے علاوہ ہزاروں سال قید میں گزار کر میں بھی کمزور اور بوڑھا ہو گیا ہوں اگر محل بن گیا تو پھر کہو گے کہ کسی شہزادی کا رشتہ بھی لاؤ" جن

وہ اپنے لئے ایک محل بنوانا چاہتا تھا اب اس کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ وہ جلدی سے محل بنوالے۔ جب محل بن جاؤ تو وہ بھی علمی چراغ والے الدین کی طرح کسی شہزادی سے شادی کریگا۔

وہ جن کے یہ کہنے پر بھی حیران تھا کہ اسے روز اور بار بار نہ بلایا جائے مگر یہ سوچ کر رہ گیا کہ شاید زمانے کے ساتھ جن بھی بدل گئے ہوں۔

اس روز اسکا باپ بھی کام پر نہ گیا اور دونوں میاں بیوی الدین کی باتیں ہی کرتے رہے۔

دوسرے دن الدین خوش خوش بستر سے اُٹا اور کچھ کھاتے پیتے بغیر ہی گاؤں سے باہر کی طرف جانے لگا۔ کیونکہ وہ باہر جا کر ہی جن کو بلانا چاہتا تھا۔

دختر کے نیچے جا کر اس نے جن کا ہاتھ گرم کیا۔ جن ایک بھیکتے ہی حاضر ہو گئے مگر حکم میرے آقا" جن سینے پر ہاتھ رکھ

بہت بڑے آدمی بن جائیں گے۔ جن نے کہا
”تو پھر جلدی سے بتاؤ نا! الدین نے بے صبری
سے پوچھا۔

”میرے آتا اگر آپ بڑے آدمی بنا چاہتے
ہیں تو آپ سماجی کارکن بن جائیں یا پھر
سیاست میں حصہ لینے لگیں۔ آپ دیکھتے ہی
دیکھتے بڑے آدمی بن جائیں گے۔ جن نے الدین
کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ایں کیا کہا۔ کیا بن جاؤں میں تو انسان
ہوں پھر بھلا وہ چیز کس طرح بنوگا۔ الدین
حیرت سے بولا۔

”سماجی کارکن اور سیاسی آدمی بھی انسان ہوتے
ہیں“ جن نے بتلایا۔

”اچھا پھر میں کیسے بنوگا؟“ الدین نے پوچھا۔
”اس گاؤں کو چھوڑ کر کسی شہر میں چلے
جالتے لوگوں سے ملیں جلیں۔ غریبوں کمزوروں اور
مزدوروں کے کام آئیں اچھے اچھے کام کریں
اس طرح کچھ ہی دنوں میں لوگ آپکو جاننے
گے اور آپ کی عزت کریں گے۔“ جن نے

نے اعتراض کیا۔ کسی شہزادی سے ہی شادی
”لوں میں بھی کسی شہزادی سے ہی شادی
کر دوں گا۔ الدین بولا۔

”مگر میرے آقا اب بادشاہوں اور شہزادیوں
کا کیا ذکر کرو گے۔ اب تو دنیا میں ہر طرف
جمہوریت قائم ہیں اس لئے آپکے لئے شہزادی کہاں
سے آئے گی۔“ جن نے دلیل پیش کی۔

”ہیں؟ تو کیا اب تم اس سے بھی انکاری
ہو؟“ الدین نے تعجب سے پوچھا۔

”انکاری تو نہیں میری یہ مجال اسی نہیں جو
”انکار کر سکوں“ جن جھک کر بولا۔

”تو پھر مجھے بتاؤ میں کیا کروں کیونکہ میں
اب ایک بڑا آدمی بنا چاہتا ہوں۔“ الدین نے
مشورہ مانگا۔

”اور بڑا آدمی بنا ہے تو کیا ہوا۔ آپ
ضرور ایک بڑے آدمی بنیں گے میں ابھی آپ
کو اسکی ترکیب بتاتا ہوں“ جن نے کہا۔

”ترکیب“ الدین پھر غوش ہو گیا۔
”ہاں میری ترکیب پر عمل کرنے سے آپ ایک

”واہ واہ بہت خوب“ یہ تو واقعی اچھی ترکیب ہے۔ میں کل ہی شہر کو چلڈھکا۔ مگر میرے پاس تو پیسے ہی نہیں ہیں جاؤ میرے لئے کچھ روپے لے کر فوراً آؤ“ الدین نے واقعی وزیروں کی طرح حکم دیا۔

الدین کے حکم دیتے ہی جن جلا گیا الدین اپنی چھوٹی چھوٹی مونچھوں کو مروٹنے لگا۔ کیونکہ وہ اپنے آپ کو ابھی سے وزیر سمجھنے لگا تھا اسی وقت جن بھی آگیا اس نے نوٹوں کے بہت سے بنڈل اٹھا رکھے تھے الدین نے اس سے پہلے کبھی اتنے نوٹ نہیں دیکھے تھے۔ اس لئے وہ اتنی مقدار میں نوٹوں کے بنڈل دیکھ کر حیران ہی رہ گیا اور جلدی جلدی بنڈل لے کر اپنی جیبوں میں ٹھونسنے لگا اس نے جن کو بھی جانے کی اجازت دیدی۔

نوٹوں سے انکی ساری جیبیں بھر گئیں مگر اب بھی بہت سے بنڈل زمین پر پڑے تھے۔ الدین نے ایک بڑا سا گدھا کھودا اور سب بنڈل اس گدھے میں ڈال کر اوپر سے

ترکیب بتلائی۔

”اچھا پھر الدین حیرت سے سب کچھ سنتا رہا کچھ عرصہ تک اسی طرح کریں آخر سارے شہر کے لوگ آپ کو ایک اچھا آدمی سمجھنے لگیں گے پھر آپ کسی سیاسی جماعت میں شامل ہو جائیں پھر جیلے ہوں گے۔ آپ بھی تقریر کریں اس سے آپ سارے ملک میں مشہور ہو جائیں گے۔ پھر حکومت کو آپ کی تقریر اچھی لگے گی تو پھر سمجھے کام بن گیا۔“

”اچھا کیا کام بن گیا؟“ الدین نے حیرت سے سوال کیا۔

”پھر حکومت آپکو اپنا وزیر بنائے گی۔ وزیر بنتے ہی آپ کو کوٹھی بنگلو اور کار بھی مل جائے گی۔ اس طرح آپ بڑے آدمی بن جائیں گے جن نے کہا۔“

”کار..... یعنی موٹر ملے گی“ الدین نے خوش ہو کر پوچھا۔

”جی ہاں نننی موٹر ملے گی“ جن نے جواب دیا۔

لے کر وہاں جانے کا پکا ارادہ کر لیا۔
جن سے لائے ہوئے روپے اس نے اپنے
گھر میں زمین کھود کر دبائے تھے۔ اور صرف
خرچ کرنے کے لئے کچھ روپے رکھ لئے تھے۔
اس کی ماں بھی اتنے روپے دیکھ کر بہت
حیران ہوئی تھی مگر الدین نے اسے سائے روپے
نہیں دکھائے تھے۔ اس نے بہت کہا کہ اسکا باپ
اب کام پر نہ جایا کرے مگر اسکا باپ نہ مانا
اور اس کی ماں نے بھی سوت کا تنا بند نہ کیا

مٹی ڈال دی۔ اور دو اینٹیں اس جگہ نشانی
کے طور پر رکھیں تاکہ وہ جگہ بھول نہ جائے
اب اسکا ارادہ تھا کہ شام کو گھر سے تھپا
لاکر سب بندل لے جائے گا۔ اسکی ساری جیبیں
لوٹوں سے بھری ہوئی تھیں اس لئے وہ جلدی
جلدی قدم اٹھاتا ہوا گھر کی طرف چلا۔
الدین کے گھر والوں کے حالات آپدیم بیٹ
گئے تھے اس لئے گاؤں کے بہت سے لوگ
کراچی جا چکے تھے تاکہ وہ بھی الدین کی طرح
بہت سے روپے لے کر آئیں۔
گاؤں میں یہ بھی مشہور ہو گیا کہ الدین کے
گھر والوں کو کہیں سے خزانہ مل گیا ہے کیونکہ
الدین کے باپ نے اپنے سارے قرضے اٹار دیے
تھے اور نئے بیل لے کر کھیتوں میں کام کرنے
لگا تھا۔

اب الدین کا شہر جانے کا سبب بن گیا
تھا کیونکہ وہ جلدی سے بڑا آدمی بنا چاہتا
تھا قریبی شہروں بارہ میل ہی دور تھا۔ اس
لئے اس نے ماں باپ سے جانے کی اجازت

میا تو معلوم ہوا کہ ایک مداری تماشہ دکھا رہا ہے الدین بھی سب کچھ بھول کر تماشہ دیکھنے کے لئے رک گیا اور اپنے لئے جگہ بناتا ہوا آگے کی لائن میں جا بیٹھا اب وہ اچھی طرح سب کچھ دیکھ سکتا تھا۔

مداری کے آگے دو تین ٹوکریاں پڑی تھیں اور وہ بین بجا رہا تھا کچھ ہی فاصلے پر ایک دس بارہ سال کا بچہ بیٹھا ہوا تھا۔ الدین فوراً سمجھ گیا کہ وہ بچہ مہورا ہو گا۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے یہی کسی بار ایسے تماشے دیکھ چکا تھا۔

مداری نے بین بجاتے بجاتے ایک ٹوکری کا ڈھکنا کھول دیا فوراً ہی ایک سانپ نے ٹوکری سے گردن باہر نکال دی۔ سانپ کالا سیاہ تھا۔ الدین اسے دور سے دیکھ کر ای ڈر گیا مداری نے ایک ہاتھ سے سانپ کو ہلکی سی ضرب لگائی تو سانپ فوراً ایک بل کھا کر اسے ڈسنے کے لئے پکا۔ الدین کا دل یہ دیکھتے ہی گبرا گیا مگر مداری نے سانپ کا وار خالی کیا اور

دوسرے دن وہ صبح ہی لاری میں بیٹھ کر شہر پہنچ گیا اس سے پہلے بھی وہ دو تین بار اپنے ابا کے ساتھ اس شہر میں آ چکا تھا الدین بازار میں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا اب وہ سوچ رہا تھا کہ وہ ایسا کیا کام کرے جس سے وہ جلد ہی مشہور ہو جائے اور شہر کے لوگ بھی اسے جاننے لگیں۔ کچھ ہی دور گیا تھا کہ اس نے ایک طرٹ بہت سے لوگ جمع دیکھے وہ بھی ادھر ہی چلا تاکہ دیکھے کہ وہ لوگ کیوں جمع ہیں قریب

اسکی طرف دیکھ دیکھ کر مسکانے لگے تھے۔
مداری اپنی ٹوکریوں کی طرف بڑھا۔ ان سب
ٹوکریوں میں سانپ تھے ایک ٹوکری لے کر مداری
بچے جمبو سے کی طرف بڑھا۔ الدین کا دل اچھل
کر حلق میں آگیا۔

مداری نے ٹوکری کھولنے کے لئے ہاتھ بڑھایا
تو الدین فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔
”ٹھہرو“ الدین بند آواز سے بولا۔ ”یہ کیا کرنے
لگے ہو۔“

مداری نے گردن گھما کر اسکی طرف دیکھا اور
بولا ”کہ تماشا کر رہا ہوں۔ اور اب یہ روکا
آپ کے سامنے ہی اس ٹوکری والے سانپ
سے لڑیگا۔“

”مگر میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوںگا“ الدین
نے کہا۔

”ارے وہ کیوں“ مداری حیرت سے بولا اور
دوسرے لوگ بھی حیران ہو کر الدین کی طرف
دیکھنے لگے۔

”بس کہہ جو دیا تم ایسا نہیں کرو گے۔“

ٹوکری کو پھر بند کر دیا۔
”اب میں آپ کو نیا تماشا دکھاتا ہوں۔“
مداری بولا۔ آپ نے اس سے پہلے تماشوں میں
ریچھ اور بچے جمبو سے کی لڑائی تو کئی بار دیکھی
ہو گی مگر میں آپکو سانپ اور بچہ جمبو سے کی
لڑائی دکھاؤں گا۔“

الدین یہ سن کر بہت پریشان ہوا کہ یہ بچہ
سانپ کا کس طرح مقابلہ کرے گا۔
مداری کی بات ختم ہوتے ہی لوگوں نے
تابیاں بجانا شروع کر دیا تھا اس پر الدین
نے حیرانی سے لوگوں کی طرف دیکھا اور پھر
اس کے ہاتھ بھی تالی بجانے کے لئے خود بخود
حرکت میں آگئے اور وہ بھی تابیاں بجانے لگا
جب الدین نے تالی بجاتی دوسرے لوگ اس
وقت تالی بجا بھی چکے تھے اب صرف اکیلا
الدین ہی تالی بجا رہا تھا دوسرے گردنیں نکال
کر الدین کی طرف دیکھنے لگے۔

مداری نے بھی اس کی طرف دیکھا پھر الدین
نے تالی بجانا بند کی مگر اتنے میں ہی لوگ

”نکالو نکالو اسے“ ایکم بہت سے آدمی بولنے لگے۔ اس پر دو تین آدمیوں نے فوراً اٹھ کر الدین کو پکڑ لیا۔ اور مجمع سے باہر کھینچنے لگے۔ آگے آگے اسے کیا کرتے ہوئے الدین نے بھی شور مچانا شروع کر دیا۔

”تم باہر جاؤ کیونکہ تمہارا دل کمزور معلوم ہوتا ہے“ ایک آدمی نے اسکا بازو پکڑ کر کہا سب لوگ مداری کا تماشا بھول کر اس نئے تماشے کو دیکھنے لگے۔ الدین اپنے آپکو چھڑا رہا تھا۔ لیکن لوگ اسے پکڑ کر باہر کی طرف کھینچ رہے تھے۔ الدین انٹ شفٹ بننے لگا اور اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے اپنی ٹانگیں چلانے لگا۔ اس پر دو آدمیوں نے فوراً آگے بڑھ کر اس کی ٹانگیں بھی پکڑ لیں۔

”پاگل اوتے پاگل اوتے“ دو چار بچے بھی بول اٹھے۔ اب کیا تھا ہر طرف شور مچ گیا چھوٹے بچے تماشا چھوڑ کر تالیاں بجاتے ہوئے پاگل پاگل کرتے ہوئے الدین کے پیچھے چلے۔ انجم سے باہر لاکر لوگوں نے الدین کو زمین

اس طرح تو اس بچے کو سخرہ ہے“ الدین نے فلسفہ بھاڑا۔

”ہم یہ تماشا روز ہی کرتے ہیں اگر ایسا نہ کریں تو پیٹ کو کیسے بھریں۔“ مداری بولا۔ لیکن اگر یہ سانپ ہماری طرف آگیا تو؟ الدین نے اعتراض کیا۔

”مگر ایسا بالکل نہیں ہوگا آپ کوئی فکر نہ کریں۔“ مداری نے کہا۔

”لیکن مجھے تمہاری بات کا یقین نہیں....“ الدین بولا۔

”کیا تم ہم سب کے شیکیدار ہو؟ ایک آدمی الدین کی بات کاٹ کر بولا۔

”پاگل معلوم ہوتا ہے“ ایک اور آواز آئی۔ ”اسے باہر نکالو۔ خواہ مخواہ مزہ کر کرنا کر دیا“ ایک اور آدمی بولا۔

الدین حیرت سے لوگوں کی طرف دیکھنے لگا اور دل میں کہنے لگا کہ یہ کیسے لوگ ہیں جو سانپ سے بھی نہیں ڈرتے۔ انا مجھے ہی پاگل کہہ رہے ہیں۔

گویا ایک نیا تماشہ لگ گیا تھا پھر بھلا وہ کیوں پیچھے ہٹتے۔ اسی وقت اسے پھر پیچھے سے بچوں کے نعرہ مارنے کی آواز سنائی دی عجیب مصیبت لگے لگا لی۔ الدین نے سوچا کہ یہ میز پھیلا ہی نہیں چھوڑیں گے اور اگر کسی کے ایک آٹھ ہاتھ مار بھی دیا تو ممکن ہے بازار میں جانے والے لوگ بھی اسے پہچان سکتے ہیں۔ اب ان سے پیچھا چھڑانے کی ایک اسی صورت ہے وہ یہ کہ بھاگ کر ان بچوں سے دور جایا جائے۔

یہ خیال آتے ہی الدین نے ایک دم بازار میں دوڑ لگا دی۔ بچے کچھ دور تک تو ان کے پیچھے گئے مگر پھر الدین دم بھر میں ہی ان کی نظروں سے غائب ہو گیا اس طرح الدین نے ان شیطان بچوں سے جان چھڑائی۔ الدین بہت دور آگیا لیکن پھر بھی سمجھتا ہی تھا۔ بازار میں چلنے والے لوگ حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے عین اسی وقت کسی نے پیچھے سے آواز لگا دی۔ پکڑنا جانے نہ

پر پک دیا۔ الدین حیران پریشان چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ماری کے تماشے میں جتنے بھی بچے تھے۔ وہ سب اس کے ارد گرد کھڑے تھابیاں بجا بجا کر ہنستے لگا رہے تھے۔

پانگل ایتے پانگل اوتے دو تین بچے آواز بٹا کر بولے تو الدین کا داغ کچھ غرم ہو گیا اور وہ زمین سے اٹھتے ہی بچوں کی طرف پلکا۔ بچے ڈر کر ادھر ادھر بھاگے اور دور جا کر پھر اسی لفظ کی گردان کرنے لگے۔

محنت ہے ان لوگوں پر بھی مجھے کیا ساپ ڈسے یا نہ ڈسے میں کیوں اپنی مٹی پلید کرواؤں الدین نے سوچا اور تماشے کا خیال چھوڑ کر بازار کی طرف بڑھنے لگا۔

اس کے آگے بڑھتے ہی بچے آگے بڑھے اور سب نے لی کر ایک بار پھر پانگل پانگل کی آواز لگائی۔ الدین نے مڑ کر بچوں کی طرف دیکھا لیکن پھر بازار کی طرف چلتا گیا۔ وہ ان بچوں کو بھی کچھ کہنا نہ چاہتا تھا مگر بچے تھے کہ باز ہی نہ آتے تھے ان کے ہاتھ تو

الدین نے پولیس کا نام سنا تو گھبرا گیا اور لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کرنے لگا کہ وہ چور نہیں ہے اور لوگ اسے غلط سمجھنے لگے ہیں۔

مگر لوگ نہ مانے اور اسے کھینچنے لگے۔ "چلو چھوڑو یار کیوں غریب کو مار ڈلاؤ گے؟" کسی نے کہا۔ الدین نے جھٹ مڑ کر دیکھا کہ یہ کون اسکی سفارش کرنے لگا ہے۔

ہاں یہ بھی ٹھیک ہے مار بھی پڑے گی اور دو چار روپے بھی ہاتھ سے دینے پڑیں گے اس لئے بہتر یہی ہے کہ اسے یہاں خود ہی دو چار لگا دو تاکہ آئندہ کے لئے اسے نصیحت ہو جائے۔ ایک دوسرے آدمی نے بھی الدین کی سفارش کر دی۔ اس پر الدین کی پٹائی شروع ہو گئی۔ الدین بہت بچاؤ کرتا رہا مگر پانچ دس آدمیوں کے آگے اس کی جھلا سکیا پیش جاتی دم بھر میں وہ اسے پیٹ پاٹ کر چلتے بنے۔

الدین کو کافی مار پڑی تھی اسکے علاوہ بازار

پاتے۔ دوسرے لوگوں نے یہ آواز سنی تو سمجھے کہ الدین کو پکڑنا ہے۔ شاید وہ کسی کی کوئی چیز اٹھا کر بھاگا ہے۔ اس لئے چند دوسرے لوگ بھی پکڑو پکڑو کہنے لگے۔

دو چار آدمی بھاگتے ہوئے الدین کی طرف بڑے اور سب نے مل کر الدین کو پکڑ لیا۔ "کیا بات ہے؟" الدین رکتے ہوئے بولا "آؤ دور ٹھیک بھاگنے سے اس کا سانس بھی تیز چلنے لگا تھا اب وہ اس مصیبت پر اور پریشان ہو گیا۔

"کیا کہیں چوری کر کے آئے ہو جو بھاگے جا رہے ہو؟" ایک نے پوچھا۔ "ضرور یہی بات ہوگی" دوسرا آدمی بولا۔

"جی نہیں میں تو کچھ بچوں سے پیچھا چھڑا کے لئے بھاگ رہا تھا" الدین نے جلدی سے جواب دیا۔

"بچے تھکے بچے، کسی کے بچے تم ضرور کوا اٹائی پکیر ہو۔ چلو تمہیں پولیس چوکی لے کر چلاؤ" ایک اور آدمی نے کہا۔

میں چلنے والے لوگ بھی اسے پٹتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اس لئے وہ شرمندگی سے بچنے کے لئے فوراً ایک گلی میں گھس گیا۔

واہ یہ ابھی رہی جن صاحب نے اچھا مشورہ دیا تھا کہ پہلے ہی دن پٹائی ہو گئی بس پسلیاں ٹوٹنے لگی کسر ہی رہ گئی تھی۔ الدین نے دل میں سوچا اب وہ جلد از جلد گاؤں واپس جانا چاہتا تھا تاکہ جا کر کچھ دیر آرام کر سکے۔ آج کے لئے اتنا ہی کام کافی ہے اس نے سوچا اور لاریوں کے اڈے کی طرف چلنے لگا۔

آج جن کو بلانے کی باری نہ تھی ورثہ الدین کا دل تو بہت چاہتا تھا کہ اسے بلا کر پوچھے کہ یہ کیا مشورہ دیا جو سارا دن ہی مار کھاتے کھاتے ٹھنڈ گیا۔

وہ شام سے بہت پہلے گھر لوٹ آیا تھا اور آتے ہی لیٹ گیا سارا جسم کسی کچے ہوئے پھوٹے کی طرح دکھ رہا تھا بس اتنی کسر ہی رہ گئی تھی جو کوئی پسلی یا ہڈی نہیں ٹوٹی تھی۔

ماں نے پوچھا کہ بیٹے خیر تو ہے مگر بیٹے

نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور خاموشی سے لیٹ رہا۔ آج کے سارے واقعات اسے ایک ایک کر کے یاد آرہے تھے اسے شہر کے لوگوں پر بہت غصہ تھا مگر کیا کرتا اس کا بس ہنیر چلتا تھا روز ایک ایک سے بدلے لے کر چھوڑتا۔ اسکا دل نہیں چاہتا کہ اب دوبارہ شہر رخ بھی کرے مگر پھر کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ ایکدم اور ایک ہی دن میں دل نہیں چھوڑنا چاہیے ممکن ہے اس میں میرا بھی بھلا ہو۔ کیونکہ جن نے اسے خواہ مخواہ تو ایسا مشورہ نہ دیا ہوگا اسے معلوم تھا کہ اچھے کاموں میں پہلے پہلے خشکیاں اور مصیبتیں آیا ہی کرتی ہیں۔ اس لئے اسے آج دوبارہ دن شہر ضرور جانا چاہیے اس فیصلہ پر پہنچ کر وہ کچھ مطمئن سا ہو گیا اور اسی عالم میں وہ سوچتے سوچتے ہی سو گیا۔

دوسرے دن بوش آیا تو اس کی ماں اسے جگا رہی تھی۔ دن کافی چڑھ آیا تھا اس لئے الدین ہرڑا کر اٹھ کھڑا ہوا ہاتھ

بھویا اور کھانا کھاتے ہی پھر شہر کی طرف چل دیا۔

لاری سے اتر کر اس نے کل والے بازار کا رخ کیا نہ کیا اور ایک لمبا لگا کر ایک دوسرے بازار میں پہنچ گیا۔ کل والے بازار میں وہ اس ڈر سے نہ گیا تھا کہ آج بھی وہ مداری تماشا دکھا رہا ہوگا کیونکہ اس نے بتایا تھا کہ وہ روز ہی یہ تماشا دکھاتا ہے۔

بازار کی رونق اپنے شباب پر تھی اور وہ چلتا جا رہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ بازار لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ سب اپنے اپنے کاموں میں مشغول ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ اور کسی کو کسی کی خبر نہ تھی۔

”مجھے کوئی اللہ کا بندہ جو مجھے سڑک پار لودا دے“ الدین کے کانوں میں کسی کی آواز آئی اور وہ چلتے چلتے رک گیا۔ الدین نے دیکھا تو ایک بوڑھا آدمی ہاتھ میں لٹھی لئے سڑک کی دوسری طرف کھڑا آواز لگا رہا تھا۔

خوش ہوا۔ اور اس نے اپنی جیب سے کچھ روپے نکال کر بوڑھے آدمی کے ہاتھ میں دے دیے۔

الدین وہیں کھڑا کافی دیر تک بوڑھے کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اور پھر وہ بھی آگے بڑھ گیا اسے یہ کام کر کے بہت خوشی ہوئی تھی۔ اور یہ تھا بھی تو بہت اچھا کام پھر بھلا اسے خوشی کیوں نہ ہوتی۔

اب دوپہر ہو چلی تھی اس لئے اسے بھوک بھی لگ گئی اس کی جیب میں کافی روپے تھے اس لئے وہ ایک ہوٹل میں گھس گیا اور خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور ہوٹل سے نکل کر پھر بازار میں آگیا۔

سکولوں میں بھی چمٹی ہو چکی تھی سکول کے بچے جیتے گلوں میں ڈالے اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے اور اب بازار میں پہلے سے بھی زیادہ رش ہو گیا تھا۔ الدین سے چند اسی قدم آگے دو بچے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے الدین نے فوراً آگے بڑھ کر چھڑایا اور دونوں بچوں کو ایک

اور بار بار اس کی زبان سے یہی نکل رہا تھا کہ کوئی اسے سڑک پار کروا دے سڑک پر پیدل چلنے والوں مانگوں، کاروں اور سائیکلوں کی ٹانگیں لگی ہوئی تھیں۔ ایسے میں اچھے بھلے آدمی کا سڑک پار کرنا بھی کچھ معنی رکھتا تھا مگر اس بوڑھے آدمی کی طرف کوئی بھی توجہ نہ دے رہا تھا۔ معلوم نہیں بیچارہ کتنی دیر سے وہاں کھڑا آوازیں لگا رہا تھا۔

الدین جھٹ سڑک کی دوسری طرف چلا گیا اور بوڑھے آدمی کا ہاتھ پکڑ کر بولا آؤ بابا میں تمہیں سڑک پار کروا دیتا ہوں یہ کہہ کر الدین بوڑھے کو ساتھ لے کر بچتا بچتا دوسری طرف پہنچ گیا۔

”لو بابا اب بتاؤ کہاں جاؤ گے؟“ الدین نے پوچھا۔

”بس بیٹا اللہ تمہارا بھلا کرے۔ اور کسی کا محتاج نہ کرے۔“ بوڑھے آدمی نے الدین کو دعائیں دیتے ہوئے کہا۔ — اس نے الدین کو اور بھی بہت سی دعائیں دیں۔ الدین بہت

سے لوگ آ رہے تھے ان کے آگے آگے
چار آدمیوں نے ایک ڈولی اٹھا رکھی تھی الدین
پر دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ یہ کیسی بارات ہے
ڈولی کے ساتھ دوہا بھی نہیں اور نہ ہی مینڈ
باجر ہے۔

دوہا کی بجائے سب آگے آگے ایک آدمی
بمپر پر ایک گئیں اٹھائے چل رہا تھا جس کی
بدشگونی چاروں طرف پھیل رہی تھی۔
دراصل یہ ایک جنازہ تھا اوپر سے دھکی ہوئی
پہرپائی کو وہ ڈولی ہی سمجھا تھا۔ اسے معلوم
نہیں تھا کہ ایسی چارپائیوں پر بھی میت کو لے
لیا جاتا ہے اس لئے وہ اس جنازے کو
بات ہی سمجھا تھا۔

اتنے میں جنازہ اس کے پاس سے گزر گیا
لوگوں کا اس طرح خاموشی سے چلنا بھی اس
نے حیرت ہی کا باعث تھا۔ جب چند
آدمی باقی رہ گئے تو الدین نہ رہ سکا۔ اور
انہوں نے ایک آدمی کو روک کر پوچھ ہی لیا
”بھائی صاحب یہ کیسی بارات ہے۔ نہ دوہا

ایک دوپہر دیا اور کہا کہ اچھے بچے لڑا نہیں
کرتے۔ یہی وہی ہے کہ بچے بہت خوش ہوتے
اور مکرآتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

ڈولا اور سہگے گیا تو ایک بارات آ رہی تھی
دوہا گھوڑی پر سوار آگے آگے تھا اور اسکے
پچھے چار کبار ایک ڈولی اٹھائے جا رہے تھے
باجے بیچ رہے تھے اور لوگ خوش خوش ساتھ
جا رہے تھے۔ الدین نے اس سے پہلے اتنی
بڑی اور اچھی بارات نہیں دیکھی تھی۔ باجر بجانے
والوں کی ایک پوری فوج تھی الدین بھی کچھ
دور تک بارات کیساتھ ساتھ چلتا رہا۔ آخر ایک
موڑ پر جا کر وہ دوسری طرف مڑ گیا۔

اسے شہر میں پھرتے پھرتے شام ہو گئی تھی
سورج غروب ہوا تو وہ بھی گاؤں واپس جانے
کے ارادے سے لاریوں کے اوٹے کی طرف چلا
راستے میں اس نے اپنے ماں اور باپ کیلئے
کچھ چیزیں خریدیں اور کپڑے میں باندھ لیں۔
ابھی الدین نے آدھلا راستہ ہی طے کیا تو
کہ اچانک وہ چلتا چلتا رک گیا۔ سامنے سے بہن

”تو پھر تمہیں اچھی طرح سمجھانا پڑیگا“ یہ کہہ کر
اس آدمی نے الدین کو گریبان سے پکڑ کر
نی طرف گھسیٹ لیا۔ اور ساتھ ہی کون اور
موتوں کی بارش کر دی۔

”اے ارے کیا کرنے گئے“ الدین نیچے سے
بہا۔ مگر وہ آدمی تو سخت غصے میں معلوم ہوتا
تھا کیونکہ یہ اس کی ماں کا جنازہ تھا۔ جسے
الدین نے برات کہا تھا۔ دو چار آدمی فوراً جمع
ہو کر دونوں میں نیچ بچاؤ کرانے لگے۔ الدین کے
موتوں میں سے خون بہنے لگا تھا بڑی مشکل سے
انہوں نے الدین کو اس آدمی سے چھڑایا۔ اور
سے لے کر ایک طرف ہٹ گئے۔

”کیا بات تھی یہ تمہیں کیوں مار رہا تھا؟“
اس آدمی نے پوچھا۔ الدین کو مارنے والا ایک بار
رچنے لگا تھا کیونکہ اس کے ساتھی بہت آگے
لے گئے تھے۔

”کمال ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پاگل تھا
نے ایک بات ہی پوچھی تھی خواہ مخواہ مارنے
ال الدین نے جواب دیا۔

اور نہ باجے والے؟“
اس آدمی نے حیرت سے الدین کی طرف
دیکھا وہ سمجھا کہ شاید یہ کوئی پاگل ہے۔ جو
خازے کو برات کہہ رہا ہے مگر صورت سے الدین
پاگل نہ معلوم ہوتا تھا وہ آدمی کوئی جواب دینے
بغیر آگے بڑھنے کو تھا کہ الدین نے اسے باز
سے پکڑ لیا۔ اور کہا آپ نے جواب تو دیا
ہی نہیں۔

”کیا ضرور جواب لوگے“ اس آدمی نے ہونٹ
چینچ کر کہا۔

”ہاں کیونکہ اس سے پہلے میں نے کبھی ایسے
برات نہیں دیکھی جس کے ساتھ دولہا ہی نہ ہو
الدین نے کہا۔

”یہ لو؟“ اس آدمی نے ایک زبردست تھپہ
الدین کے منہ پر رسید کر دیا۔ اور بولا۔
”تمہارے سوال کا یہی جواب ہے۔ کیا اب

بھی نہیں سمجھے؟“
”جی نہیں“ الدین نے حیرت سے اپنے گال
پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”کیا پوچھا تھا؟“ اس پر الدین نے بتا دیا
سب لوگ سن کر ہنس پڑے۔ الدین انہیں ہنس
دیکھ کر اند بھی حیران ہوا۔
”بھلے آدمی یہ برات نہیں بلکہ کسی کا جنازہ
تھا۔ جیسے لے کر وہ لوگ قبرستان جا رہے ہیں
لوگوں نے اسے سمجھایا۔

”جنازہ تھا؟“ الدین ہجرت سے گم کھڑا رہ گیا
تو اسی لئے تمہیں مار بھی پڑی ہے۔ آؤ
کو دیکھ بھال کر کوئی بات کرنی چاہیے۔“ لوگوں
نے کہا۔

”نوسجلا مجھے کیا معلوم تھا؟“ الدین نے بھڑک
سے کہا اور سب لوگ اکیبار پھر ہنسنے لگے۔
ایک جگہ سے الدین نے اپنا تھون آؤد منہ
دھویا اور دل ہی دل میں شہر والوں کو کوز
ہوا لاریوں کے اڈے کی طرف چلایا۔

الدین نے آج پھر ہمت چھوڑ دی اور شہر
انے کا ارادہ ترک کر دیا۔ دو دن میں اسی
کھا کھا کر وہ تنگ آ گیا تھا۔ اسلئے آج
جن سے پھر مشورہ کرنا چاہتا تھا۔
ملاؤں سے باہر جا کر اس نے بال غرم کر کے
خاک کو بلایا تو جن فوراً حاضر ہو گیا۔
”حکم میرے آقا غلام حاضر ہے؟“ جن اب سے
بکھر کر بولا۔

”بھائی جن صاحب یہ تم نے کیا مشورہ
تھا نہ بھائی یہ کام تو بہت مشکل ہے

وہ یہ زمانہ اور ہے ہزاروں سال گزر گئے
 ہیں اب تو دنیا ہی ختم ہونیوالی ہے پھر بھلا
 امیری قوتیں کس طرح نہ ختم ہوں۔ اس کے علاوہ
 ہی جادوگر نے مجھ پر ایسا ہی جادو کر دیا تھا
 کہ میں آپ کے مرنے اتنا ہی کام آسکتا ہوں
 جتنا اب تک آیا ہوں۔ جن نے جواب دیا
 ”تو پھر تم شہر کے لوگوں کو ہی ذرا سمجھاؤ“
 الدین بیوقوفوں کی طرح بولا۔

بہت اچھا میں ان سے کہہ دوں گا۔ اب آپ چلیں
 آپ کو معلوم ہی ہے کہ ہر تکلیف کے
 بعد راحت ملتی ہے اگر کچھ دھڑاریوں پیش بھی
 آئیں تو آپ مرواندار الکا مقابلہ کریں تو ایک
 روز آپ ضرور ایک بہت بڑے آدمی بن کر
 رہیں گے۔ جن نے سمجھایا۔

جن کے تسلی دینے سے الدین پھر شہر
 جانے پر رضامند ہو گیا۔ اب اس نے پھر تہیہ
 کر لیا کہ اگر مار بھی پڑیگی تو کھا لوں گا
 مگر بڑا آدمی بن کر ہی دم لوں گا۔
 اور کوئی حکم میرے آقا۔ جن نے پوچھا۔

اور میں نہیں کر سکتا۔ الدین نے بتلایا۔
 ”کون کام میرے آقا۔ جن نے پوچھا۔
 وہی بڑا آدمی بننے والا کام۔ وہ دن سے
 شہر جا رہا ہوں اور وہ دن میں ہی میرا
 جسم مار کھا کھا کر پلپلا ہو گیا ہے شہر کے
 لوگوں کو عقل ہی نہیں۔ خواہ مخواہ بات
 پر مارنے کو دوڑتے ہیں۔ نہ بابا میں تو
 کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوں۔ کوئی اور آسان ترکیب
 بتاؤ۔ الدین نے کہا۔

میرے آقا۔ آپ نے تو بڑی جلدی میدان چھا
 دیا۔ کچھ دن تو دیکھتے۔ جن نے مسکرا کر کہا۔
 ”نہ بابا میرے تو باپ کی بھی توبہ ہے۔“
 الدین کانوں کو ہاتھ لگا کر بولا۔
 ”تو پھر آپ کس طرح بڑے آدمی بنیں گے؟“
 جن نے پوچھا۔

”کیا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ علمی چارخ والے
 الدین نے تو ساری زندگی کوئی کام نہیں
 کیا تھا۔ الدین نے مشکوہ کیا۔
 ”آپ کو کتنی دفعہ کہا کہ وہ زمانہ اور تھا“

کہتا تھا کہ اب کوئی بادشاہ ہی نہیں رہا
اور نہ ہی محل بن سکتا ہے۔
الدین یہی سوچ رہا تھا کہ ایک آدمی
اس کے پاس سے گزرا الدین نے جھٹ اسے
آواز دی وہ آدمی بھی رک کر الدین کی
طرف دیکھنے لگا۔

”کیا بات ہے“ اس آدمی نے پوچھا۔
”بھائی صاحب ذرا یہ تو بتانا کہ یہ کس کا
محل ہے“ الدین نے پوچھا۔
”محل“ اس آدمی نے حیران ہو کر دیکھا تو
تقہر لگا کر ہنس چلا۔

”کیوں کیا بات ہوئی۔“ الدین اسے ہنستے ہوئے
دیکھ کر بولا۔

”اے بھائی یہ محل نہیں یہ منڈوا ہے
منڈوا یعنی سینا“ اس آدمی نے کہا۔

”اُوہ اچھا اچھا“ الدین فوراً بولا اور اسے یاد
آگیا کہ اس کے کئی دوست گاؤں جاکر منڈوے
کی باتیں کیا کرتے ہیں۔

”اچھا تو یہ منڈوا ہے اس نے حیرت سے

”نہیں اب تم جا سکتے ہو میرے پاس
ابھی کافی روپے ہیں“ الدین نے کہا اور جن
فوراً ہی غائب ہو گیا۔

الدین گھر جانے کی بجائے سیدھا شہر کو
چلایا۔ اب اسکا عزم پھر جوان تھا لاری سے
اُترا تو دو تین فقیروں نے اسے گھیر لیا۔ الدین
نے اپنی جیب سے ایک ایک روپیہ نکال کر
ان کو دیدیا۔ اور وہ سب اسے دعائیں دیتے
ہوئے چلے گئے۔

آج وہ شہر کے دوسرے حصے کی طرف
چلا تھا۔ تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ سڑک
پر ایک بہت بڑی عمارت دیکھ کر رک گیا اس
عمارت میں بہت سے دروازے تھے۔ اور ہر
دروازے میں شیٹے لگے ہوئے تھے بڑے بڑے
بورڈ لگے ہوئے تھے۔ جن پر کچھ لکھا ہوا تھا۔
الدین ذرا دور تھا۔ اس نے یہ نہ پڑھ سکا
کہ ان پر کیا لکھا ہوا ہے وہ سمجھا کہ یہ
مزدور کوئی محل ہوگا۔ مگر پھر یہ سوچنے لگا
کہ اگر یہ محل ہے تو کس کا ہے تب تو

کہا بالکل محل معلوم ہوتا ہے۔
ہاں اور آج شام کو آکر دیکھنا یہاں کتنی
روفتی ہوتی ہے اس آدمی نے بتلایا۔
”اچھا میں ضرور شام کو آؤں گا۔“ الدین نے
کہا اور آگے بڑھ گیا۔ اور وہ سارا دن شہر
میں گھومتا رہا مگر اور کوئی واقعہ یا بات
نہ ہوئی الدین سوچنے لگا اس طرح لوگ اسے
بے پچہانیں تو پھر بڑا آدمی بننے میں بہت دن
لگ جائیں گے۔

شام کو وہ پھر ٹہٹا ٹہٹا اسی طرف آکھٹا
اب واقعی اس سینا میں بہت سے لوگ تھے
اور کئی لوگ ایک کھڑکی کے آگے لائن لگائے
کھڑے تھے الدین نے سوچا کہ یہ لوگ اس طرح
لائن میں کیوں کھڑے ہیں اور کبھی کبھی لائن
کے آگے سے ایک دو آدمی نکل کر ایک جڑے
دووانے میں چلے جا رہے ہیں الدین یہ ماجرا
دیکھ کر حیران تو ضرور ہوا مگر پھر وہ خود بھی
لائن میں جا کھڑا ہو گیا۔ وہ دل میں ڈر بھی
رہا تھا کہ کوئی اسے اس لائن سے نکال

ای نہ دے۔
اب وہ لائن میں لگا ہوا اپنے سے اگلے
آدمی کو دیکھ رہا تھا۔ اس آدمی نے اپنے ہاتھ
کچھ ردیے بھی پکڑ رکھے تھے یہ بات بھی
الدین کے لئے حیرانی والی تھی۔ ابھی وہ یہ
بات سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ ایک اور روکا
آکر الدین کے آگے کھڑے ہوئے آدمی سے باتیں
کرنے لگا۔ الدین کان لگا کر ان کی باتیں
سننے کی کوشش کرنے لگا کیونکہ اس وقت سینا
میں رش ہونے کی وجہ سے شور شرابہ بھی تھا
اور کوئی بات سنائی نہیں دیتی تھی اس پر
طرہ یہ کہ ساتھ ہی ریکارڈنگ بھی ہو رہی
تھی۔

”یار ماجھے تم کتنے ٹکٹ لوگے“ اس لڑکے
نے پوچھا تھا۔

”تین؟“ ماجھے نے فوراً جواب دیا۔
”ایک میرا بھی لے لو۔ کیا پیسے دول۔ لڑکے
نے پوچھا۔
”لاؤ یار تم بھی کیا یاد کرو گے“ الدین کے

آگے کھڑا ہوا ماجھا بولا۔
اس پر اس فرد کے نے کچھ روپے جیب سے نکال کر ماجھے کو پکڑا دیئے الدین یہ سب کارروائی دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یا الہی یہ ٹمکٹ کس چیز کے لئے جا رہے ہیں نہ تو یہاں کوئی لاری یا بس ہی کھڑی نظر آتی ہے اور نہ ہی یہاں ریل گاڑی آسکتی ہے۔ پھر یہ چکر کیا ہے یہ شہر کے لوگ کیا چکر چلا رہے ہیں۔ مگر اتنا کچھ سوچنے کے باوجود اس کی سمجھ میں کوئی بات نہ آسکی اتنے میں اس کے آگے کھڑا ہوا آدمی ایک دوسرے آدمی سے باتیں کرتے لگا اور الدین نے اپنے کان پھر ان کی گفتگو کی طرف لگا دیئے۔
”بہت اچھی پوچھ رہے ہیں تیسری بار دیکھنے آیا ہوں“ ایک آدمی بولا۔

”ہاں میں نے بھی ایک بار دیکھی ہے ٹارزن کا کام بہت اچھا ہے“ دوسرا بولا۔
”اور وہ ٹارزن اور شیر کی روانی کیسی ہے؟“ پہلے نے پوچھا۔

بھی جواب نہیں۔ سچ پوچھو تو بار بار دیکھنے کو دل چاہتا ہے“ دوسرے نے جواب دیا۔
مگر یہ ٹارزن کون ہے جو شیر سے روتا ہے۔ کیا شیر سے بھی کوئی رو سکتا ہے وہ تو جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے یہ ٹارزن بھی ضرور جنگل کے کسی جانور کا نام ہی ہو گا۔ جو میں نے اس سے پہلے نہیں سنا؟ الدین نے ان کی گفتگو سن کر سوچا۔
عین اسی وقت الدین کا آگلا ساتھی کھڑکی تک جا پہنچا اس نے اپنا پیسوں والا ہاتھ کھڑکی کے اندر داخل کر دیا اور بولا۔
”بالو بی چار ٹمکٹ دینا چار سیکنڈ کلاس کے“ اسکو دیکھ کر الدین بھی اپنی جیب سے روپے نکال کر اپنے ہاتھ میں پکڑ چکا تھا۔ اور جب اسکی باری آئی تو اس نے بھی اپنے پیسوں والا ہاتھ کھڑکی کے اندر داخل کر دیا۔
اندر سے کسی نے اس کے ہاتھ پر سے پیسے اٹھا کر ایک کاغذ سا اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ الدین نے فوراً اپنا ہاتھ باہر نکالا۔

یا پھر کوئی انجان آدمی ہے جو پہلی دفعہ سینا میں آیا ہے اس لئے اسے غصے کی بجائے ہنسی آگئی۔

ایک تو میرا نقصان کر دیا۔ اور اوپر سے ہنس رہے ہو! الدین پھر غصے میں آکر بولا۔

ذرا صبر کرو میرے بھائی گیٹ کپرنے نے اسے روک کر کہا۔ ”یہ دیکھو میرے ہاتھ میں کیا ہے“ اس نے اپنا وہ ہاتھ الدین کو دکھایا جس میں بہت سے پھٹے ہوئے آدمے ٹکٹ تھے۔

الدین نے دیکھا تو وہ بولا کہ ”اس طرح سب لوگوں کے ٹکٹ بھاڑے گئے ہیں اس لئے تم فکر نہ کرو اور اندر جا کر بیٹھ جاؤ۔“

الدین کچھ شرمندہ بھی ہوا لیکن پھر چپ چاپ ہال کے اندر داخل ہو گیا۔ ہال کے اندر بہت سے لوگ کرسیوں اور بنچوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور بہت شور مچا ہوا تھا الدین حیرت سے دیکھتا ہوا آگے بڑھا اور ایک خالی کرسی دیکھ کر اس پر بیٹھ گیا۔

ہال میں بہت سے چھوٹے چھوٹے لمکے مختلف

تو ایک چھوٹا سا لال رنگ کا چھپا ہوا کاغذ اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ جس طرف دوسرے آدمی گئے تھے وہ بھی اسی طرف چلنے لگا۔ ایک دروازے پر ایک آدمی کھڑا تھا اس نے الدین کے ہاتھ سے ٹکٹ لے کر اسے بھاڑ دیا اور ایک کھڑا الدین کی طرف بڑھا دیا۔ الدین نے یہ دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا۔ کہ میں نے تو روپے خرچ کر کے ٹکٹ حاصل کیا اور اس نے فوراً اس کے دو ٹکٹے کر دیئے اس نے اس آدمی کو فوراً گریبان سے پکڑ لیا۔ وہ آدمی حیران ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا بات ہے سبھی؟“ وہ آدمی ذرا بدعاش سا تھا آکر کر بولا۔

”تم نے میرا ٹکٹ کیوں بھاڑا ہے۔ ابھی یہاں میرے روپے رکھ دو ورنہ میں ابھی دو تین گھونٹے لگا دوں گا“ الدین نے کہا۔

وہ آدمی یعنی گیٹ کپرنے جھٹکا دے کر اپنا گریبان پھڑپھڑایا اور سمجھ گیا کہ وہ ایک بے وقوف

تو کیا یہ گھنٹی ان لوگوں کے لئے بجائی
گئی ہے یا کوئی اور بات ہے اس جگہ اگر
الدین نے بہت ہی عجیب باتیں محسوس کی تھیں گھنٹی
کی آواز ختم ہوتے ہی ہال میں ایکدم اندھیرا ہو گیا
ایکدم اندھیرا ہونے سے الدین کو یوں لگا جیسے وہ
اندھا ہو گیا ہو۔

”یہ کیا ہے کس نے روشنی بند کی ہے۔“ الدین
اپنی تسمیٰ پر کھڑا ہو کر زور زور سے بولا۔ مگر
کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔
”میں کہتا ہوں میرے سامنے آؤ اس طرح اندھیرا
میں کسی سنا کوئی نقصان نہ ہو جائے۔ وہ ایکبار
پھر گر جا۔“ الدین کے دایں ہاتھ بیٹھے والے آدمی
نے اسکا ہاتھ پکڑ کر پیچھے بٹھانے کی کوشش کی
مگر الدین سخت گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

”بیٹھے جاؤ، بیٹھے جاؤ۔“ پیچھے سے بہت سے
آدمی گھنٹے لگے اور کئی فقیے بھی سنائی دے۔

”نہیں بیٹھا“ الدین پیچھے گھوم کر بولا۔
”نہ کون گودھا ہے“ ابک اور آواز آئی۔ یہ
سب کچھ لارٹ بند ہونے کے بعد چند لمحوں میں

چیزیں فروخت کرتے پھر رہے تھے۔ اور انہوں
نے آوازیں لگا کر سارا ہال سر پر اٹھا رکھا تھا
الدین نے ذرا غور سے دیکھا تو کچھ عورتیں بھی
بیٹھی نظر آئیں۔ ایک عورت تو اس کے ساتھ
والی کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی الدین کو شرم بھی
آئی اور چیرائی بھی ہوئی اب ایک نئی بات
سوچنے لگا۔ مگر معلوم نہیں یہاں اب کیا ہو گا
اتنے لوگ جمع ہیں جن میں عورتیں بھی ہیں اور
یہ سب لوگ ہی پیسے خرچ کر کے اندر آ کر
بیٹھ گئے ہیں۔

کیا یہاں کھانا کھلایا جائیگا۔ یا کچھ اور ہو گا
مگر کھانا کھانے کے لئے میز تو ہیں ہی نہیں
پھر کیا روٹیاں ہاتھوں میں پکڑیں گے۔
ابھی وہ یہی سوچ رہا تھا کہ سینا ہال میں
ایک گھنٹی بجنے لگی۔ الدین نے چاروں طرف دیکھا
مگر اسے کسی طرف بھی گھنٹی بجانے والا
نظر نہ آیا ایک بات اس نے محسوس کی کہ
گھنٹی بجتے ہی آلو چھوٹے اور دوسری چیزیں بیچتے
والے باہر کی طرف جانے لگے تھے۔

سے دوسرے درخت پر جارہا تھا۔
 ”یہ آدمی ہے یا بندہ“ الدین خوش ہو کر ضا
 بند آواز سے بولا۔

”چپ رہو“ اور الدین منہ پھاڑ کر حیرت سے
 دیکھتا رہا کئی بار تو وہ ڈر ڈر کر اپنے ساتھ
 بیٹھے ہوئے آدمی کے ساتھ لگ جاتا تھا زیادہ تر
 جھل کے ہی سین تھے کیونکہ یہ فلم ٹائزن کے
 متعلق تھی

ابھی فلم شروع ہوتے شکل سے دس پندرہ
 منٹ ہی ہوئے ہوئے کہ ایک دم سکین پر شیر
 دور ہی نظر آ رہا تھا اور وہ سیدھا چلا آ رہا تھا
 آہستہ آہستہ ہوتے ہوتے شیر کا چہرہ سکین پر بڑا
 ہوتا گیا اور اب اس طرح معلوم ہونے لگا جیسے شیر
 ایک دم ہال میں چھلانگ لگائے گا۔ اسی وقت شیر
 اٹھارہ اور گر جا۔ اس کے ساتھ ہی الدین کی بیخ
 بھی سارے ہال میں گونج اٹھی اور وہ اپنی جگہ
 سے اٹھ کر ایک دم بھاگا مگر اپنے بائیں ہاتھ بیٹھی
 ہوئی عورت پر جا گرا۔ دوسری بیخ اس عورت کی
 تھی سارے ہال میں افزائش پڑ گئی اور سب لوگ

ہی ہوا تھا۔ اسی وقت سامنے سکین روشن
 ہو گئی۔ جس پر کھڑا تھا۔

”اسلام علیکم الدین نے زور سے وعلیکم السلام کہا
 اور اس کے ساتھ ہی ادا گرد بیٹھے ہوئے لوگ
 قہقہے لگانے لگے۔ سکین روشن ہوئی تو کچھ روشنی
 بھی ہو گئی اس لئے الدین کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی
 جلدی سے بیٹھ گیا اور چپ ہو کر سامنے کی طرف
 دیکھنے لگا۔

”یار یہ کیا گھبرا کرنے لگے تھے“ اسکے ساتھ
 والا آدمی بولا ”کیا کبھی پہلے سینا نہیں دیکھا۔ اس
 آدمی نے پوچھا۔

”نہیں میں پہلی بار آیا ہوں“ الدین نے جواب دیا
 پھر خاموشی سے بیٹھ کر دیکھو درنہ یہاں ایسے
 لوگ بھی ہیں جو تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دیں گے
 اس آدمی نے جواب دیا۔

اب سکین پر نمبر دہرؤ آنے لگے تھے اور
 کچھ ہی دیر بعد ایک جھل کے سین سے فلم شروع
 ہو گئی سین میں ٹائزن کو دکھایا گیا تھا جو دنتوں
 کی شاخوں سے جھولا جھولا ہوا ایک درخت

باشر تھا اگر واقعی مجھ پر چھلانگ لگا دیتا
کیا ہوتا۔ کیا میں اپنی جان بھی نہ بچاتا؟
بڑبڑاتے ہوئے چلتا رہا۔

اب اندھیل ہر طرف پھیل گیا تھا۔ اس لئے
الدین نے گھاؤں جانے کی بجائے شہر میں ہی
ات بسر کرنے کا ارادہ کر لیا اس طرف آتے ہوئے
پہلے ہی ایک جگہ چارپائی اور بستر کی آوازیں سن
کر سمجھ گیا تھا۔ کہ یہاں رات کو مسافر وغیرہ
ٹہرتے ہوئے اس لئے اس کے قدم اب اسی
رف اٹھ رہے تھے۔

گھبرا گھبرا کر اپنی سیٹوں پر کھڑے ہو گئے۔ ان
سارے ہال میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی
گیں۔ الدین کو دو آدمیوں نے اندھیرے میں ہی دھڑک
لیا تھا جب معاملہ حد سے گذر گیا تو ہال میں روشنی
کر دی گئی فلم بند ہو گئی تھی۔ الدین نے ہال
کی طرف دیکھا اور پھر حیرت سے سکون کی طرف
دیکھنے لگا جیسے وہ شیر کو دیکھ رہا ہو۔ مگر اب
وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

”یہ کون جانور ہے“ اوپر کب سے ایک آواز
آئی۔ ”اسے اٹھا کر باہر پھینک دو“ دو تین تماشاویں نے
الدین کو اٹھایا اور دروازے سے باہر لے جا کر
زور سے زمین پر دے مارا۔

”خبردار بھاگ جاؤ اگر اب اس طرف کا رخ
کیا تو تمہیں توڑ دیں گے“ ان آدمیوں نے کہا۔
الدین کو گرنے سے سخت جھٹ آئی تھی۔ مگر وہ
خاموش ہی رہا۔ ابھی وہ اٹھنے بھی نہ پایا تھا
کہ ہال کا دروازہ بند ہو گیا الدین نے اٹھ کپڑے
بھاڑے اور باہر کی طرف چلنے لگا۔ اتنا
”کمال ہے خواہ مخواہ ہی گئے پڑنے لگتے ہیں۔ اتنا

دہا کہ جہا شہر میں جنگل کہاں سے آگیا اور اتنے دھیر سارے جنگل جانور بھی تھے۔ بندر تھے چیتے نفعے اور شیر بھی تھا پھر یہ سب کہاں گئے جب روشنی ہوئی تھی تو وہاں کوئی بھی جانور نہ تھا ضرور یہ شہر والوں کی کوئی کاریگری ہوگی۔ یہ شہر والے عجیب ہیں۔ ان کا بھی کچھ پتہ نہیں چلتا "اے یہ کیا؟" الدین نے اس سینا کے گھیت پر گئے ہوئے بہت بڑے بورڈ کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ بورڈ پر ایک عورت اور مرد کی تصویر بنی ہوئی تھی جو قریباً قریباً ایک دوسرے سے بغل گیر ہونے کو تھے۔

کیا ان کو شرم نہیں آتی۔ بیچ بازار یعنی شہر پر ایسا کرنے والے ہیں؟ الدین نے سوچا۔ تیزی سے قدم اٹھا کر اس جگہ سے دور ہونے کی کوشش کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد وہ پھر شہر کی طرف واپس آیا تو ایک دوسری شہر پر سے ہو کر لوٹا تھا۔ اسی وقت اس کے پاس سے دو منزلی لیں گزری الدین کے لئے یہ بھی ایک نئی چیز تھی

وہ رات اس نے ہوٹل میں گزاری اور صبح سویرے اٹھ کر شہر سے باہر چلا گیا کیونکہ گاؤں میں رہتے ہوئے رفع حاجت کیلئے روزانہ باہر جانے کی عادت تھی

دوسری شہر پر ایک اور سینا بنا ہوا تھا الدین نے دیکھا تو اور بھی خوش ہو گیا کیونکہ یہ کل والے سینا سے بہت بڑا اور خوبصورت تھا۔

چو یہ منڈے والی قسم بھی ٹوٹی۔ اب میں بھی گاؤں جا کر منڈے کی باتیں کر دوں گا مگر رات تو واقعی اللہ نے بچایا ورنہ شیر نے تو کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی پھر وہ یہ سوچ سوچ کر چلان ہوتا

کب بڑا آدمی بنوں گا ابھی تو شہر کے لوگ ہی مجھے نہیں پہچانتے بلکہ بات بات پر ماننے لگتے ہیں۔

ایک جگہ سے اس نے لسی لے کر پی۔ اسے بہت مزہ آیا اس لئے وہ تین چار گلاس لسی کے بنا کر پی گیا۔

ایک دو گھنٹے اسے یونہی گھومتے ہوئے گزر گئے تین چار دنوں میں ہی اس نے سارا شہر دیکھ لیا تھا۔ اور وہ بازاروں کو کچھ کچھ پہچاننے لگا تھا اس وقت وہ ایک بڑے بازار سے گذر رہا تھا الدین چلتے چلتے ایک بڑے شیشے کے شوکیں کے سامنے کھڑا ہو گیا شوکیں کے اندر ایک بہت ہی خوبصورت عورت اچھے اچھے کپڑے پہنے اور سیکھوں پر بیٹھ لگائے کھڑی تھی الدین کو ایسے لگا جیسے وہ عورت شیشے کے اندر سے اس کی طرف ہی دیکھ رہی ہے۔ یہ احساس ہوتے ہی وہ ذرا اکڑ کر کھڑا ہو گیا دکاندار نے اسکی طرف دیکھا تو مسکرانے لگا۔ دراصل یہ ایک مجسمہ تھا۔ جو کپڑے پہنا کر ماڈل کے طور پر شوکیں میں رکھا

وہ حیرت میں گم کھڑا جاتی ہوئی بس کو دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ کیا یہ اوپر والی بس نیچے نہیں گرتی۔

جب وہ ذرا اور آگے بڑھا تو ایک چوک میں ایک یکتہ یعنی ٹانگہ کھڑا تھا اس میں ایک آدمی پیچھے بیٹھا ہوا اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک چھوٹے سے ڈبے کے سامنے کچھ بول رہا تھا اور اس کی آواز بہت اونچی ہو کر الدین تک پہنچ رہی تھی آواز کہہ رہی تھی کہ حضرات آج شام کو عید گاہ گراؤنڈ میں ایک بڑا جلسہ نام ہوگا جس میں حضرت علم الدین صاحب تقریر کریں گے۔ مہربانی کر کے آپ سب لوگ آئیں۔

”واہ واہ یعنی جلسہ، جن صاحب نے بھی تو کہا تھا کہ تم کسی جلسے میں تقریر کرنا تو بڑے آدمی بن جاؤ گے۔ چلو آج شام کو جلسہ بھی دیکھیں گے اور یہ بھی معلوم کریں گے کہ وہ کون ہے جو آج تقریر کر کے بڑا آدمی بننے والا ہے۔“

معلوم نہیں میری باری کب آئے گی۔ اور میں

خیال بھی آیا کہ گزشتہ تین چار دنوں میں اس نے شہر میں ایک بھی نائی نہ دیکھا تھا کیا شہر میں نائی نہیں ہوتے شہر کے لوگ کہاں سے حجامت بنواتے ہونگے اس نے ادھر ادھر سے گزرنے والے لوگوں کی طرف دیکھا اور ان میں سے کئی آدمیوں کی بنی ہوئی حجامت دیکھ کر مطمئن ہو گیا۔ اب اسے تسلی ہو گئی تھی کہ شہر میں بھی نائی مزور ہوتے ہوں گے۔

اب وہ ایک گھڑیوں کی دکان کے سامنے پہنچ گیا تھا دکان کے باہر ایک بہت بڑی گھڑی لگی ہوئی تھی کمال ہے یہاں بھی اتنی بڑی گھڑی لگ رہی ہے آخر یہ ماجرا کیا ہے؟
الدین نے ذرا داغ پر زور دیا تو ساری بات سمجھ میں آگئی

”ادبو تو یہ بات ہے“ وہ دل ہی دل میں بولا میں بھی سمجھتا بیوقوف ہوں جو پہلے یہ بات نہ سمجھ سکا اب وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ گھڑی بوٹ اور وہ نفلم دراصل یہ بات بتانے کے لئے لکھائے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو دور سے ہی معلوم

ہوا تھا۔ لیکن الدین اسے ایک اصلی عورت ہی سمجھا تھا اس کی نظریں ایک ہنستے ہوئے دکاندار کی طرف اٹھ گئیں اور الدین شرمندہ ہو کر فوراً آگے بڑھ گیا۔

آگے ایک جوتوں کی دکان تھی۔ دکان کے باہر ایک بہت بڑا جوتا لٹک رہا تھا۔ الدین نے جوتا دیکھا تو پھر حیران ہو گیا اور سوچنے لگا کہ یہ جوتے کون پہنتا ہوگا ابھی اس کی حیرانی دور بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک دوسری دکان کے آگے بہت بڑا قلم لٹکتا ہوا نظر آ گیا یہ ایک کتابوں کی دکان تھی۔ کیا یہ قلم بھی انسان استعمال کرنے ہونگے پر نہیں یہ قلم مزور وہی آدمی استعمال کر سکتا ہے جو وہ پہلے والے جوتے پہنتا ہوگا۔ جس کے اتنے بڑے بڑے پاؤں ہونگے اس کے ہاتھ بھی مزور ہونے پڑے ہوں گے۔

یہی کچھ سوچتا ہوا وہ بازار میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک اسے خیال آیا کہ آج شہر سے ہی بالی کوٹاے۔ کیونکہ اس کے بالی بہت بڑے بڑے ہونگے تھے مگر اسی وقت اسے یہ

ہو سکے کہ یہاں گھڑیاں اور لوٹ فروخت ہوتے ہیں۔

وہ گفتنی مزید بات ہے اس سے تو شہر والے بڑے عقل والے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ شہر والے بھی عجیب اور نئے نئے کام کرتے ہیں اب اسے اس بات کی دھن سوار ہو چکی تھی کہ وہ جلد بال کٹوائے۔ اس نے بازار میں چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں تاکہ دیکھ سکے کہ کسی دکان کے آگے کوئی سر بھی لٹکا ہوا ہے یا نہیں کیونکہ اسکا خیال تھا کہ نائیوں کی دکان کے باہر بھی ضرور انہوں نے کسی کا سر کاٹ کر لٹکا رکھا ہوگا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں بال کاٹنے جاتے ہیں۔

لیکن اسے کہیں بھی ایسا سر لٹکا ہوا نظر نہ آیا اس پر وہ ذرا پریشان سا ہو گیا اس نے ایک گھسنے والے سے پوچھا کہ نائی کی دکان کدھر ہے اس آدمی نے ادھر ادھر دیکھا اور ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔

”وہ دیکھو وہ سامنے نائی کی ہی دکان ہے۔“
”کہاں کدھر؟“ الدین نے اس کی انگلی کی سیدھ

میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔
”اے بھائی وہ سامنے جس کے دروازوں میں شیشے لگے ہوتے ہیں“ اس آدمی نے جواب دیا۔
”اوہ اچھا وہ جس کے شیشے پر لال سیاہی سے کچھ لکھا ہوا ہے؟“ الدین نے کہا۔
”ہاں وہی“ اس آدمی نے کہا اور آگے چل دیا۔
الدین نائی کی دکان کی طرف بڑھا قریب جا کر دیکھا تو بڑی شاندار دکان تھی ساری جگہوں پر شیشے لگے ہوئے تھے اور شیشوں میں سے اندر بہت سی کریاں نظر آرہی تھیں۔

الدین نے دکان کے اوپر کی طرف دیکھا مگر اسے کوئی نشانہ بھی لگی ہوئی نظر نہ آئی اس نے مجھے اب تک کسی نائی کی دکان نظر نہ آئی تھی کیونکہ انہوں نے تو شیشے ہی شیشے لگا رکھے ہیں ایسی دکانیں تو میں نے بہت سی دیکھی ہیں۔ لیکن اب تک یہی سمجھتا رہا کہ یہ کوئی ہوٹل وغیرہ ہوگا الدین نے دل میں سوچا اور آگے ہو کر دروازہ کھولنا چاہا مگر کوئی دروازہ نظر نہ آتا تو کھوتا وہ یوں ہی ایک شیشے کے ساتھ زور آزمائی کرنے لگا اسی

دکان والا ہنس کر بولا۔

”اگر یوں کہو ناں کہ یہاں بیٹھو“ الدین نے پھر مسکرا کر کہا۔

اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ نائی ہی کی دکان ہے مگر وہ ابھی تک یہ ضرور سوچ رہا تھا کہ نائیوں نے اپنی دکان کے باہر کوئی نشانی کیوں نہیں لگائی۔

کی وہ گاؤں والیں نہ گیا تھا اسنے اس نے سوچا کہ اب جیسے کو رہنے دے کیونکہ اس طرح اسے آج بھی دیر ہو جائے گی اور اسکی ماں کو بہت فکر ہوگا۔

اس نے اس نے جیسے کا پردرگام متوی کر دیا اور گاؤں والیں جانے کی نیت سے لاری اڑے کی طرف چلنے لگا۔

وقت ایک دروازہ کھلا اور اندر سے ایک آدمی نے نکل کر الدین کی طرف غور سے دیکھا۔ الدین اسکو نظر انداز کرتا ہوا اندر داخل ہو گیا اندر جا کر وہ اور بھی حیران رہ گیا کیونکہ دکان اندر سے تو کسی بادشاہ کا کمرہ معلوم ہوتی تھی الدین کو ہر طرف شیشوں میں اپنا منہ نظر آیا اور رنگ رنگی تصویریں والے بڑے بڑے کاغذ بھی دیواروں کیساتھ لٹک رہے تھے الدین کو یقین نہ آیا کہ یہ کسی نائی کی دکان ہوگی۔ ضرور اس آدمی نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہے۔

”کیا بات ہے“ دروازہ کھولتے والے نے اس سے پوچھا۔

”اے الدین چونک اٹھا ”حجامت بخوانا ہے“ اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”تو پھر اس کرسی پر تشریف رکھتے۔“ دکاندار نے کرسی کھسکا کر کہا۔

”کیا رکھوں؟ میرے پاس تو ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔“ الدین حیرت سے بولا۔

”اوہ میرا مطلب تھا کہ اس کرسی پر بیٹھ جائیے۔“

”بھائی جن صاحب ابھی تک تو تہاری ترکیب
 قیل ہی ہو رہی ہے“ الدین نے کہا۔
 ”تو پھر میرے آقا کوئی اور حکم دیں۔ میں
 حاضر ہوں“ جن نے پوچھا۔
 ”اچھا تو پہلے میرے لئے مٹھائی لے کر آؤ
 پھر میں سوچ کر بتاؤں گا“ الدین نے حکم دیا۔
 ”آقا ایک ہی بار کیوں نہیں بتا دیتے؟ جن
 نے کہا۔

”کیونکہ ابھی میں بھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا“
 الدین نے جواب میں کہا۔
 ”مگر میں نے کہا تھا کہ مجھے بار بار نہ بلایا
 کریں؟“ جن پھر بولا۔
 ”یار جن صاحب ایک بار تو دل خوش کرو۔ شاباش
 جاؤ اب انکار نہ کرنا۔

”بہت اچھا میرے آقا میں ابھی مٹھائی حاضر
 کرتا ہوں“ جن نے بڑے ادب سے کہا۔
 ”اور کچھ روپے بھی لے آنا“ الدین جلدی سے بولا
 ”کیا پہلے والے روپے ختم ہو گئے ہیں؟“ جن
 نے سوال کیا۔

روز روز شہر جانے سے الدین اکتا سا گیا تھا
 مگر وہ بڑا آدمی بھی تو بننا چاہتا تھا اور بڑا
 آدمی بننے کے لئے شہر جانا بھی ضروری تھا مگر
 اب اس کا دل قطعاً شہر جانے کو نہ چاہتا تھا
 اس نے آفری بار جن سے گفتگو کرنے کے لئے
 اسے بلانے کے لئے گاؤں سے باہر کا راستہ لیا
 وہ جن سے ملاقات کر کے ہی آفری منید کرنا
 چاہتا تھا۔

بال گرم کرتے ہی جن فوراً حاضر ہو گیا اور
 سر جھکا کر الدین کے آگے کھڑا ہو گیا۔

”تمہیں اس سے کیا اور تمہارا اس میں بھلا
 حرج ہی کیا ہے؟“ الدین نے تھکناہے
 میں کہا۔

”مگر آپ اتنے سارے روپے کیا کریگے؟“ جن
 نے پھر اعتراض کیا۔
 ”یار مان بھی جایا کرو؟“ الدین نے خوشامدی
 بے میں کہا۔

جن فوراً غائب ہو گیا۔ الدین اس کے جاتے
 ہی سوچنے لگا کہ اب جن آئے تو اس سے
 کیا کہوں گا۔

لیکن اس کے کچھ سوچنے سے پہلے ہی جن
 دوبارہ نمودار ہو گیا۔ اس نے بہت سی مٹھائی اور
 بہت سے روپے کے بنڈل الدین کے سامنے رکھ
 دیئے۔

”شاباش تم بہت اچھے ہو؟“ الدین نے خوش
 ہو کر کہا۔

”کیا میں اب جاؤں؟“ جن نے پوچھا۔
 ”مگر وہ بڑا آدمی بننے والی بات بھی تو کرو؟“
 الدین نے پوچھا۔

”آپ کو بتایا تو تھا مگر آپ خود ہی بڑا آدمی
 نہیں بننا چاہتے؟“ جن نے کہا۔

”واہ بننا کیوں نہیں چاہتا۔ روز ہی اس کیلئے
 مار کھاتا ہوں کوئی ایسی ترکیب بتاؤ جس سے میں
 فوراً ہی کوئی بڑا آدمی بن جاؤں؟“ الدین نے
 پوچھا۔

”تو پھر ایسا کریں کہ شہر مارے جگہ جگہ ترک کر
 کچھ لوگوں کو اکٹھا کر کے تقریر کرنے لگیں۔ اس
 سے لوگ آپ سے جلد ہی واقف ہو جائیں گے“
 جن نے مشورہ دیا۔

”پھر اسکے بعد کیا کروں گا؟“ الدین نے پوچھا۔
 ”جب دو چار تقریریں کر لیں گے تو پھر ہو سکتا
 ہے شہر والے آپ کے لئے کوئی بڑا جلسہ کر
 دیں اس طرح آپ کو وہ موقع مل جائے گا“
 جن نے بتلایا۔

”مگر تقریر کس طرح کی جاتی ہے؟“ الدین نے
 پوچھا۔

”واہ یہ بھی کوئی مشکل کام ہے۔ جو منہ
 میں آئے کہتے جیسے گا کوئی بات تو لوگوں کو

اب اسے یاد آیا کہ وہ مٹھائی اور روپے تو وہیں درختوں کے پاس ہی بھول آیا ہے مگر خیر وہیں جا کر لے لوں گا وہاں کون آئیگا اس نے سوچا اور بازار کو جانے والی شرک پر ہو گیا۔

بازار میں پہنچا تو دیکھا کہ ابھی بہت کم لوگ بازار میں آ جا رہے ہیں۔

وقت گزرنے کے لئے وہ ایک ہوٹل میں گھس گیا تاکہ لسی پی لے۔ ایک کرسی پر بیٹھا وہی تھا کہ ہوٹل کے نوکر نے چائے کا ایک کپ لاکر اس کے آگے رکھ دیا۔ الدین نے دیکھا تو اس کا رنگ اسے بہت برا لگا۔

”یہ کیا ہے؟“ اس نے بیرے سے پوچھا۔
 ”صاحب چائے ہے۔“ بیرے نے جواب دیا۔
 ”یہ چائے ہے۔ کیا اس میں دودھ نہیں ڈالا؟“
 الدین نے پوچھا۔

”ڈالا ہے جناب پورا آدھی چھانک دودھ اس میں ڈالا ہے۔“ بیرے نے جواب دیا۔
 ”اچھا پھر تو واقعی ٹھیک ہوگا۔“ الدین بولا

پسند آ رہی جا رہی۔ جن نے کہا۔
 ”بالکل ٹھیک۔“ الدین جن کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا۔ ”آج میں اسی طرح کر دوں گا۔ اور آج ہی بڑا آدمی بن کر دکھاؤں گا۔“
 جن خاموش ہی کھڑا رہا۔

”کیا آپ کو شہر پہنچاؤں؟“ جن نے کہا۔
 ”کیا تم پہنچاؤ گے؟“ الدین نے حیرت سے پوچھا۔
 ”جی ہاں آپ آئیں گے بند کریں ایک منٹ میں شہر پہنچ جائیں گے۔“

اچھا الدین ایک دم خوش ہو گیا۔ مگر پہلے تو کہیں تم نے پہنچایا ہی نہیں۔ خواہ مخواہ روز لاری میں جاتا ہوں۔

”آپ نے اس سے پہلے کہا ہی نہیں۔“ جن بولا۔ اب آنکھیں بند کر لیں۔ الدین نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ بس اب کھولیں۔ اس کے کانوں میں فوراً ہی آواز آئی اس نے آنکھیں کھولیں تو شہر میں لاریوں کے اڑنے کے پاس کھڑا تھا وہ بڑا حیران ہوا اور خوش بھی ہوا کہ اتنی جلدی شہر آ گیا۔

اور جلدی سے اس نے کپ اٹھا لیا۔ کیونکہ ہوٹل میں بیٹھے ہوئے بہت سے لوگ اسکی طرف دیکھنے لگے۔ چلتے سے فارغ ہوکر اس نے پوچھا کتنے پیسے دوں؟

”آٹھ آنے“ بیرے نے جواب دیا۔

”آٹھ آنے الدین حیرت سے بولا۔ یعنی اس گرم پانی کے آٹھ آنے“

”جی ہاں زیادہ باتیں کرنے کی ضرورت نہیں درنہ اٹھا کر باہر پھینک دیں گے“ بیرے نے غصے سے کہا۔ الدین نے جلدی سے پیسے نکال کر اسے دیدیے اور ہوٹل سے باہر نکل آیا۔ ہوٹل کے دروازے پر رک کر اس نے تقریر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

دو تین آدمی ہوٹل کے دروازے پر کھڑے تھے اور دو چار آدمی پاس سے گزر رہے تھے الدین نے فوراً ان کو مخاطب کیا۔

”شہر کے لوگو، بھائیو، بادشاہو ذرا میری بات تو سن لو پھر آگے چلے جانا۔ یہ دنیا کے کام تو ہوتے رہیں گے۔ الدین شروع ہوتے ہی اونچی

آواز سے بولا۔ ہوٹل کے دروازے پر کھڑے ہونے والے اور راستہ چلنے والے آدمی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

”میں تمہارے ہی فائدے کی بات کروں گا اس لئے میری بات ضرور مان لینا کیونکہ میں ایک بڑا آدمی بننے والا ہوں“ الدین بولا۔

”کچھ آگے بھی تو پھوڑو یونہی بچے جا رہے ہو“ ایک آدمی بولا۔

”کچھ پاگل معلوم ہوتا ہے۔ ایک دوسرا آدمی بھی بول اٹھا۔

”منہ میں پاگل نہیں ہوں۔ اس ہوٹل سے چلتے پی کر نکلا ہوں اس لئے دماغ ذرا گرم ضرور ہے مگر پاگل نہیں ہوں۔ جب میں بڑا آدمی بنو گا تو آپ میرے آگے پیچھے پھریں گے اس لئے اب ہی میری بات سن لو“ الدین نے کہا۔

”اے تو کچھ ساؤ بھی؟ بڑا آدمی تو ہم تمہیں ابھی بنا دیتے ہیں“ لوگوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

”سیا ساؤں ابھی تو کوئی بات سمجھ میں نہیں

اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
 ”سپاہی صاحب آپ راتے کیوں ہیں اگر
 میں بڑا آدمی بن گیا تو اسکا بدلہ ضرور لوں گا“
 الدین نے کہا۔
 ”بڑا آدمی بننا کیا مشکل ہے۔ کیا ابھی
 بنا دوں؟“ سپاہی بولا۔
 ”اے وہ کیسے الدین حیرت سے بولا اور
 سوچا اتنے دنوں سے کوشش کر رہا ہوں۔ مگر
 ابھی تک کچھ بھی نہ ہوا اور یہ کہہ رہا ہے
 کہ ابھی بنا دیتا ہوں۔“
 ”ابھی تمہارا منہ کالا کر کے کسی گدھے پر سوار
 کرا دیتے ہیں پل بھر میں دس میں بچے اکٹھے
 ہو جائیں گے پھر سمجھ لو بڑے آدمی بن گئے“
 سپاہی نے مسکرا کر کہا۔
 ”اچھا آپ تو مذاق کرنے لگے“ الدین نے
 کہا اور جانے کے لئے قدم اٹھایا۔
 ”ارے کدھر جاتے ہو۔ ادھر میرے آگے
 لگو“ سپاہی بولا کیونکہ اس کی مسیحتی گرم تھی۔
 ”کیوں؟ ادھر کیا ہے؟“ الدین نے سوال کیا۔

آرمی۔ بس یہی جان لو کہ اس ہوٹل والے نے
 چلنے کے بہت پیسے لئے ہیں آٹھ آنے یعنی
 آدھا روپیہ اس لئے آپ لوگ اس ہوٹل میں چلے
 نہ پئیں۔“ الدین نے تقریر شروع کی۔
 ابھی الدین یہیں تک پہنچا تھا کہ ہوٹل کے اندر
 سے ایک آدمی نکلا اس نے باہر آتے ہی
 آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا اوپر نیچے دو تین
 گھونٹے اور تھپڑ الدین کو بڑ دینے اور اسے
 گھسیٹ کر سڑک پر گھرا لیا۔
 اسی وقت ایک پولیس کا سپاہی آگیا اس نے
 دونوں کو رستے دیکھا تو جھڑک کر بولا۔
 ”ارے کیوں رستے ہو کون ہو تم لوگ“
 ہوٹل والے نے چپکے سے پانچ روپے کا
 نوٹ سپاہی کی مسیحتی میں دے دیا اور بولا
 یہ کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے سنتری صاحب اسے
 نے جائیں چند دن سرکاری مہمان بنا کر رکھیں تو
 داغ ٹھیک ہو جائے گا۔“
 ”اٹھو“ سپاہی نے پاؤں کی ایک زوردار ٹھوکر
 مار کر الدین کو اٹھایا الدین حیران پریشان

مل کر بہت خوش ہوتے ہیں" دوسے سپاہی
تے ہنسی کر کہا۔

اب الدین بھی سوچنے لگا کہ کیا واقعی
تھانے دار بہت خوش ہوگا۔ کیونکہ دونوں سپاہیوں
نے یہی کہا ہے۔ تھانے دار اس سے مل کر
خوش ہوگا۔

سپاہی اسے اندر لے گیا۔ اندر کمرے
میں ایک آدمی بیٹھا تھا جس کی مونچھ
کی جگہ ہونٹوں پر صرف چند ہی بال تھے
دور سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہونٹوں
کے اوپر ناک کے نیچے کوئی کھٹی بیٹھی ہو۔
"کیا ہے۔" وہ ان کو اندر آتے دیکھ کر
بولے۔

"جناب یہ آدمی بیچ بازار کھڑا ہو کر
اوٹ پٹانگ باتیں کر رہا تھا اس سے
بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے منع کرنے
پر بھی یہ باز نہ آیا بلکہ اٹا رشتے
مارنے پر تیار ہو گیا سپاہی نے جھوٹ
بولتے ہوئے الدین کے جرم گنوانے شروع

"اس لئے کہ تھانیدار صاحب تمہیں دیکھ کر
بہت خوش ہوں گے۔" سپاہی نے طنزیہ کہا۔
"مگر میں تو کسی تھانیدار کو نہیں جانتا پھر
بھلا وہ کیوں خوش ہوگا؟" الدین نے حیرت
سے پوچھا۔

"واہ تم ایک بڑے آدمی بننے والے ہو پھر
بھلا وہ کیوں نہ خوش ہوں گے۔ چلو اس طرف
چلو" سپاہی نے طنزیہ کہا۔

سپاہی زبردستی الدین کو ساتھ لے کر پولیس
چوکی کی طرف چلا گیا الدین جیلر پریشان اس
کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا دو چار آدمی
بھی تماشا سمجھ کر ساتھ ہو لئے تھے۔

"کیا بات ہے یہ کون ہے؟" چوکی میں ایک
سپاہی نے پوچھا۔

"یہ بڑے آدمی صاحب ہیں اور بسم اللہ
ہوٹل کا بیڑو عرق کر رہے تھے۔" پہلے سپاہی
نے کہا۔

"اچھا پھر تو اسے ضرور تھانیدار صاحب کے
پاس لے جاؤ کیونکہ وہ ایسے بڑے آدمیوں سے

دُڈے کی مزب سے زمین پر گر گیا ہو۔
ارے کیا ہوا۔ کیوں خواہ خواہ سوئے سوئے
چینے گئے۔ کبھی تو انسانوں کی طرح اٹھ جایا
کرو۔ الدین کو اپنے باپ کی آواز کاؤں
میں آئی۔

پلو جلدی سے اٹھو آج کھیت پر بہت
کام ہے۔ اس کا باپ کہہ رہا تھا۔
الدین نے فوراً ہاتھیں کھول دیں وہ اپنے
گھر میں ہی تھا اور چارپائی سے نیچے زمین
پر گرا پڑا تھا۔

الدین کو ایک زبردست جھٹکا سا لگا۔ کیونکہ
اس کو معلوم ہو گیا کہ اس نے کوئی غراب
دیکھا ہے اور غراب میں ہی وہ کراچی اور
شہر کی سیر کرتا رہا ہے اس نے حیرت
اور افسوس سے گھر میں چاروں طرف دیکھا۔
”اب اٹھو گے بھی یا اٹھانا پڑے گا“
اس کے باپ نے اپنے جوتے کی طرف
ہاتھ بڑھایا اور الدین اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
کافی دن چڑھ آیا تھا اس لئے اس کا

کہہ دیجئے۔
”اچھا تم گویا امن عامہ میں غل ڈال رہا
تھا؟ وہ آدمی بولا۔ الدین حیران ہو کر
سپاہی کی باتیں سن رہا تھا اور وہ سمجھ
گیا کہ یہی تھانے دار ہوگا۔

”تھانے دار صاحب یہ جھوٹ بولتا ہے میں
جئے تو ایسی کوئی بات ہی نہیں کی۔“
الدین بولا۔

”شٹ آپ“ تھانے دار زور سے گرجا۔ الدین
سہم گیا۔

”تھانے دار صاحب آپ کے ہونٹوں پر کھتی
بیٹی ہے“ الدین اٹکی سے اشارہ کرتے
ہوئے بولا۔

اب تو تھانے دار صاحب کو بہت غصہ آیا۔
اور وہ لال پیلا ہو کر اپنی جگہ سے اٹھا
اور اپنا ڈنڈا زور سے الدین کے دے
مارا۔ ڈنڈا بڑے زور کے ساتھ لگا تھا اس
لئے الدین کے منہ سے بے اختیار ایک زوردار
یہنچ نکل گئی۔ اور اسے یوں لگا جیسے وہ

باپ اسے ساتھ لے کر کھیتوں میں کام کرنے
کے لئے چل پڑا۔
الدین اداس اداس اس کے پیچھے پیچھے
بے دلی سے جارہا تھا۔ کاش یہ سب کچھ
سچ سچ ہو جائے۔ اس نے پتے پتے ایک
آہ بھری اور آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔

ختم شد



عمرو عیار کی شادی

منظرِ کلیم ایم اے

- ▲ خواجہ عمرو عیار نے ایک جادوگر نے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
- ▲ عمرو عیار اپنی ہونے والی بیوی کو طلسم ہو شربا سے اغوا کرنے کے لئے نکلا۔
- ▲ ننگے جادوگر اور عمرو عیار کے درمیان دلچسپ اور انوکھی جنگ۔
- ▲ عمرو عیار کی ہونے والی بیوی نے شادی کے لئے ایک ایسے انسان کے لئے ہوئے سر کی شرط پیش کی جو عمرو عیار کے لئے ناممکن تھا۔
- ▲ کیا عیار زمانہ عمرو عیار ناممکن کو ممکن بنا سکا؟
- ▲ کیا عمرو عیار کی شادی ہو گئی؟

انتہائی دلچسپ اور تہمتوں سے بھرپور کہانی

شائع ہو گئی ہے

آج ہی اپنے قریبی بک سٹل سے طلب فرمائیں

یوسف برادرز پاک گیٹ ملتان